موم کی گلیاں

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

تقسیم سے پہلے ہمارا لمبا چوڑا خاندان تھا۔ ہم سب اکٹھے رہتے اور بڑی حویلی میں خوب رونق ہوتی تھی۔ بڑے میر صاحب یعنی میرے دادا گھر کے سردار تھے حقے کی نے ان کے منہ سے جیتے ہی علیحدہ نہ ہوئی۔ تمباکو نوشی کی اسی عادت کے بدولت ان کا نچلا ہونٹ مستقل طور پر لٹک گیا تھا۔ وہ کوئی کام نہ کرتے تھے۔ صرف اپنے بڑھے ہوئے گھرانے کے افراد کا احتساب کیا کرتے۔ وہ کچھ کرنے جوگے نہ تھے لیکن ان کا دبدبہ اور رعب ہم سب کے دلوں پر کچھ اس طرح طاری تھا کہ ہم ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کی سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ بڑے میر صاحب جدھر کا رخ کرتے سارے افرادِ خانہ سینوں پر ہاتھ باندھ کر ان کے پیچھے ہو لیتے۔

چچا ابا، تایا جان اور ہمارا خاندان ان دنوں اکٹھا رہتا تھا۔ گھر کی مصروفیت کا یہ عالم ہوتا کہ سب جوان گھبرو صبح سویرے اپنے اپنے کاموں پر چلے جاتے اور گھر میں لڑھکنے، پھسلنے اور رینگنے والے بچوں اور ان کو کھلانے والی عورتوں کے سوائے کوئی نہ رہ جاتا۔ بڑے میر صاحب کو سُست، کاہل اور دھرنا مار کر بیٹھنے والی عورتوں سے شدید نفرت تھی۔ ان کی زندگی میں ہمارے گھر کی ساری عورتیں ہر وقت اپنے اپنے کام میں مشغول رہتیں اور وہ حقہ بجاتے ان کی نگرانی کیا کرتے۔ وہ خود کسی کام کو ہاتھ نہ لگاتے تھے —— اپنے سارے بچوں کا کنبہ بنانا ہی ان کا پہلا اور آخری فرض تھا ان کو کھلانے پلانے اور ان کی غور و پرداخت کی ذمہ داری ان پر عائد نہ ہوتی تھی۔ لیکن ان کے مرتے ہی گھر کا شیرازہ بکھرنے لگا پھر فسادات نے رہی سہی سالمیت کی کمر توڑ دی۔ چچا ابا اور تایا جان کے گھرانے ہم سے علیحدہ ہو گئے اور ابا میاں ہمیں لے کر لاہور میں بس گئے۔

جب تک ہم سب بڑے ابا کی سرپرستی میں رہے کسی کی اصلیت کسی کا اصلی رنگ نہ کھلا لیکن جونہی ہمارا یونٹ علیحدہ ہوا اور نئی زندگی کے تقاضے ابھرے ہماری شخصیتوں کے تہ در تہ پردے کھلنے لگے۔

اپنے گاؤں میں خرم بھائی شہزادوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ اصل معنوں میں بڑے ابا یعنی بڑے میر صاحب کے نائب تھے۔ بڑے ابا ہر وقت حقے کی نے منہ سے لگائے رکھتے تو خرم بھائی ہر لمحہ سگرٹیں چوستے رہتے۔ ان کی انگلیوں پر مہندی رنگے نشان تھے۔ نچلا ہونٹ لٹک گیا تھا اور اس کی بدولت وہ ہم سب سے علیحدہ اور سب سے خوبصورت نظر آتے۔

لاہور پہنچتے ہی ابا میاں نے بہت چاہا کہ خرم بھائی کسی جگہ ملازم ہو جائیں لیکن خرم بھائی ملازمت نہ کر سکے۔ یہ ان کی نیت کا فتور نہ تھا بلکہ ان کی تربیت ہی کچھ ایسی ہوئی تھی کہ وہ تخیل کی دنیا میں رہنا پسند کرتے تھے۔ انہیں کتابوں سے عشق تھا، اندھیرے سے محبت تھی۔

وہ فطرت کی ایسی عطا کردہ نعمت تھے جس کا مصرف ہم اچھی طرح سمجھ نہ پائے تھے۔ خاص طور پر ابا میاں ان کے وجود سے بہت گھبرانے لگے تھے۔ وہ جب

UrduPhoto.com

بھی بیٹھتے اپنی محنت اور ہم دونوں بھائیوں کی سست الوجودی کا رونا روتے میں بی۔ایس۔سی ایگریکلچر کرکے ان دنوں عیش منا رہا تھا۔ ابا میاں کو اس عیش پرستی پر اعتراض تو بہت تھا۔ لیکن ان کے پیش نظر ایک اتنی بڑی سکیم تھی کہ وہ ہم دونوں بھائیوں کی کاہلی پر زیادہ توجہ نہ دے سکتے تھے۔ چنانچہ اسی سکیم کے ماتحت وہ ہمیں مری لے گئے۔

۲

آزاد کشمیر میں کوئی شخص بڑے سستے داموں سرکار سے خریدے ہوئے جنگلات کا سودا چکا رہا تھا، اور ابا میاں کو ان جنگلات کو خریدنا تھا۔ اس بزنس میں ان کے نزدیک بڑا پیسہ تھا اور جلد ہی لاکھوں روپے حاصل کرنے کی امید تھی۔ لیکن ابا میاں ایسے باپ تھے جو ہر چیز کا احسان اپنے بچوں کے کندھوں پر رکھتے ہیں۔

بس آہستہ آہستہ روانہ تھی۔ خرم بھائی کھڑکی کی طرف منہ لگائے گردوپیش کا جائزہ لے رہے تھے۔ میں ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا شیروں کی عادات پر ایک مضمون پڑھ رہا تھا۔ اماں سوئیٹر بن رہی تھیں۔ اور اتنے سارے مسافروں کے باوجود ابا میاں کا لیکچر جاری تھا۔ وہ اماں سے کہہ رہے تھے۔

"پھر یہ نوابزادے کہیں گے کہ باپ نے ان کے لئے کچھ نہیں کیا۔ کونسا شخص ایسا ہے جو بہار کے دنوں میں اپنے بچوں کو پہاڑوں پر لے جاتا ہے؟ کونسا ایسا شاہ دل ہے جو اس بیدردی سے اولاد پر پیسہ بہاتا ہے۔ ان کو کیا؟ اس گھر میں تو بس ایک ہی آدمی کو لہو پسینہ ایک کرنا ہے۔ ایک کو ہی کولہو کے بیل کی طرح زندگی گزارنا ہے۔"

اماں نے کہنی کا ٹھوکا دے کر آہستہ سے کہا: "لوگ سن رہے ہیں، آہستہ بولیئے۔"

"میں کسی سے ڈرتا ہوں کیا؟ محنتی آدمی ہوں۔ اپنے بل بوتے پر جیتا ہوں۔

میں کیوں کسی کی پرواکروں۔"

اب اماں نے ذرا کڑی نظر ابا پر ڈالی اور بولیں: "میں کب کہتی ہوں کہ آپ کسی کی پرواکریں۔ لیکن یہاں لوگوں میں بیٹھ کر تو اولاد پر احسان نہ جتایئے۔"

"کیوں؟ پر کیوں نہ؟ کیا یہ سچ نہیں کہ میں انہیں تبدیل آب وہوا کے لئے مری لے چلا ہوں ——"

اماں نے بڑے طنز سے کہا: "ہم تو جنگلات کا سودا کرنے چلے ہیں۔"

اب ابا میاں بھڑک اٹھے اور بولے: "اور جنگلات کا سودا کس کے لئے ہے کیا میں جنگل سر پر اٹھا کر لے جاؤں گا۔ کیا اپنی قبر پر گاڑوں گا یہ درخت؟ انہی کے لئے در در کی خاک چھانتا ہوں اور تم ہمیشہ ان کی طرف داری کرتی ہو—— اپنے خرم کو لو کیا شہزادوں کی سی پرورش کی ہے اس کی —— کسی کام کا چھوڑا ہی نہیں بیچارے کو ——"

خرم بھائی نے کھڑکی میں سے جھانکنا بند کر دیا اور آہستہ سے بولے —— "ابا جان میں سمجھتا ہوں، سب کچھ منجانب اللہ ہوتا ہے اور ہر انسان بالآخر اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ کارخانہ قدرت میں کوئی چیز بے کار نہیں، ہر انسان کا اپنا رنگ ہے اور اسے اپنے حصے کا کام کرنا ہے یہ اور بات ہے کہ اوروں کو کئی لوگ بے کار نظر آتے ہیں۔ جس طرح میرا وجود آپ کے لئے بیکاری کی ایک علامت ہے اسی طرح ضروری نہیں کہ آپ کا کام میری نظروں میں بھی اہم ہو۔"

باوجودیکہ ابا میاں خرم بھائی کو اپنی چھاتی کی سل سمجھتے تھے لیکن ان کے فلسفے کے سامنے ان کی دال نہ گلتی تھی اس لئے وہ خاموش رہنے میں ہی عافیت سمجھتے۔ خرم بھائی بے کار رہنے کے باوجود ہمارے گھر کی سالمیت کو ویسے ہی برقرار رکھتے تھے جیسے کبھی بڑے میر صاحب کے وجود سے ہمارا گھرانا ایک دھاگے میں

منسلک تھا۔ ہمارے یونٹ میں درپردہ جو وحدانیت، محبت اور یک رنگی تھی وہ خرم بھائی کی بدولت تھی۔ اسی لئے جب کبھی وہ اپنے فلسفوں کی باڑھ مارتے تو ابا میاں خاموش ہو جاتے۔ وہ اس قوت کو خوب سمجھتے تھے جو تخیل پرستوں کی باتوں میں ہوتی ہے۔

شروع بہار کے دن تھے۔ سردیوں کی خنکی اور ٹھنڈ اب بھی صبح و شام رینگتی ہوئی کمروں میں آجاتی۔ آتشدان روشن کرنا پڑتا اور گرم کپڑوں کا سہارا لیا جاتا۔ پہاڑوں میں بہار کچھ اور ہی رنگ لاتی ہے۔ فضا میں ننھا ننھا بورنا معلوم سی خوشبوئیں اور ہریالی کی بوباس اڑتی رہتی ہے۔ بہار پہاڑوں پر بھرپور زندگی کا پیام لے کر آتی ہے۔ برف کی سلیں پگھلتی ہیں۔ چشمے پھوٹتے ہیں۔ سردیوں کے سوئے ہوئے جانور اپنی طویل نیند سے جاگتے ہیں اور خوابیدہ وادیاں جاگ اٹھتی ہیں مجھے پہاڑوں کی بہار سے اس لئے بھی محبت ہے کہ یہاں انسانوں سے زیادہ جانوروں پر بہار آتی ہے اور زندگی کی گہما گہمی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

مجھے ہمیشہ سے جانوروں سے عشق رہا ہے۔ جب بڑی حویلی میں رہتا تھا تو پہلے میں نے ایک گلہری پالی لیکن جب تائی جان کا ریشمی تکیہ گلہری بیگم نے کاٹ کر جھیر جھیر کر دیا تو مجھے گلہری سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اس کے بعد عرصہ تک میں گھر میں بندھی ہوئی بھینسوں، بکریوں اور گھوڑوں سے دل بہلاتا رہا۔ وہاں جب کبھی بھی سرکس آتا میں راتوں کو گھر سے غائب رہتا۔ جہاں کھلے پنڈال میں شامیانے نصب ہوتے تھے وہیں میری شامیں کٹتیں۔ سکول میں پڑھائی کے وقت میرا دماغ غیر حاضر رہتا۔ کبھی رنگ میں دوڑنے والے گھوڑے نظر کے سامنے آکر جم جاتے کبھی آگ کے ہالے میں کودنے والا کتا یاد آنے لگتا اور لاکھ کوشش کے باوجود میری توجہ کتابوں پر نہ جمتی مجھے سرکس کے جانوروں کے کرتبوں سے پیار تھا۔

میں حیران ضرور ہوتا تھا اور جی ہی جی میں سدھانے والوں کی تعریف بھی کرتا تھا۔ دراصل مجھے جانوروں کی جبلتیں اور عادتیں کشاں کشاں وہاں لے جاتی تھیں۔ ہاتھی پانی کیوں کر پیتا ہے؟ شیر ہڈی چبا کر کیا چھوڑی ہوئی ہڈی کے ریزے پھینک دیتا ہے یا انہیں نگل جاتا ہے، گھوڑوں کو جس وقت کھریرا کرتے ہیں تو ان کی کنوتیاں کیوں پھڑکتی ہیں۔ کوتل گھوڑے اور ابلق گھوڑے کے اطوار مختلف کیوں ہوتے ہیں؟ ایسے ہی ننھے ننھے سوال مجھے بری طرح ستاتے اور میں شام کو گھر سے کھسک جاتا۔

جب رات کافی بھیگ گئی اور مجھے کوٹھے پر سرکس کے بینڈ نے سونے نہ دیا تو میں کوٹھے سے دبے پاؤں نیچے اترا اور سیدھا پنڈال کی طرف بڑھا چونکہ ٹکٹ خریدنے کے لئے ایک دمڑی بھی پاس نہ تھی۔ اس لئے میں نے پنڈال کا چکر لگایا اور پچھواڑے پہنچ کر ایک جگہ سے پنڈال کا شامیانہ کھول کر اندر جھانکنے لگا۔ سامنے کرسیاں، لوگوں کی ٹانگیں اور اوپر جلنے والے گیس نظر آتے تھے۔ بڑی مشکل سے سرکس کی ایک باگھنی نظر آئی۔ وہ کرسی پر بیٹھی دھاڑ رہی تھی۔ رنگ ماسٹر کی چابک پھڑکتی۔ لوگ اس کی عظمت اور بہادری پر رشک کرتے اور مجھے یہ تجسس کھائے جاتا کہ شیرنی کے منہ میں دانت کتنے ہوتے ہیں۔ اس کے جبڑے کی ساخت کیسی ہے کہ بیل اور بارہ سنگھے جیسے جانوروں کے سر منہ میں دبا کر بھاگ نکلتی ہے؟

ابھی میری سوچ کو سلجھنے میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کہ کسی نے مجھے کمر سے پکڑ کر پیچھے کھینچا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو خرم بھائی کھڑے تھے انہوں نے میرا کان اینٹھ کر کہا "خوب! کھاتے پیتے گھرانے کے لڑکے یونہی کرتے ہوں گے؟ —— چل گھر تیری مرمت کرتا ہوں۔" مجھے مار سے ڈر نہ آتا تھا لیکن دسویں جماعت میں ہونے کی وجہ سے عزتِ نفس پر معمولی سی چوٹ بھی برداشت

UrduPhoto.com

نہیں ہوتی تھی میں بھی بدک گیا اور کان چھڑا کر بولا ــــــ "آپ کا مطلب؟ آپ اپنا کام کیجیے، اپنی کتابیں پڑھیے میرے پیچھے کیوں ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں؟"

خرم بھائی بڑے بے ضرر آدمی تھے، جھٹ گھونگھے کی طرح اپنے خول کے اندر گھس جاتے۔ مجھے یوں بدکتا دیکھ کر انہوں نے منہ پھیر لیا اور آہستہ سے بولے "اگر تمہیں سرکس ہی دیکھنا تھا تو مجھے کہتے میں تمہیں پیسے دے دیتا۔"

ان کا لہجہ بدلتا دیکھ کر میں بھی نرم پڑ گیا اور لجاجت سے بولا ــــــ "بھائی جان میں کوئی سرکس دیکھنے تھوڑی آیا تھا۔ مجھے جانور اچھے لگتے ہیں انہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ میں ان کے متعلق اتنا کچھ جاننا چاہتا ہوں کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہاں سے شروع کروں؟ کس سے پوچھوں؟ کوئی بھی تو کچھ نہیں جانتا۔"

خرم بھائی چلتے چلتے ٹھٹھک گئے اور بولے ــــــ "تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا میں تمہارے لئے بہت سی کتابیں فراہم کر دیتا۔ تم خود پڑھ لیتے۔"

اس واقعے نے میرے شوق کو ہوا دی اور خرم بھائی نے جو بڑی نسا اہل پسندی سے فلسفے کی کتابوں سے چمٹے رہتے تھے مجھے ایسی زندگی کی طرف دھکیل دیا جو انتہائی خطرناک دلچسپ اور سحر انگیز تھی۔ اگر اس رات خرم بھائی مجھ سے ان کتابوں کا ذکر نہ کرتے جو بعد میں مجھے ملتی رہیں تو آج میری زندگی کچھ اور طرح کی ہوتی میں کسی ضلع کا زراعتی افسر ہوتا اور میری زندگی کسی فارم پر گزرتی۔

مری میں ابھی بہار ٹوٹ کر نہ آئی تھی۔ بس شرمائی ہوئی دلہن کی طرح کونپل کونپل سے پھوٹ کر نکلنے کو تڑپ رہی تھی۔ ان دنوں مجھ پر ایک گن لینے کا سودا سوار تھا۔ میں دبی زبان میں کئی بار اماں سے ذکر بھی کر چکا تھا۔ لیکن ہر بار وہ معذرت ظاہر کر کے رہ جاتیں اور یہی کہتیں کہ اپنے باپ سے کہہ کر دیکھو۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

مری پہنچے مجھے ابھی تین دن بھی نہ ہوئے تھے کہ مجھ پر مرگی کے دورے کی طرح ایک بار پھر گن خریدنے کا بھوت سوار ہوا۔ میں ڈرتے ڈرتے ابا جی کے کمرے میں پہنچا۔ وہ ناک کی پھننگ پر عینک جمائے کچھ کاغذات دیکھ رہے تھے میں ان کے سامنے کرسی کی پشت پکڑ کر یوں کھڑا ہو گیا جیسے اگنی مانگنے آیا ہوں۔ آخر انہوں نے نگاہیں اٹھا کر شاہانہ تکبر سے پوچھا ــــــ "فرمایئے؟"

میری زبان میں لکنت آگئی گھبرا کر میں نے کہا "جی میں حاضر ہوا تھا۔"

"ظاہر ہے کہ آپ حاضر ہیں۔"

"جی ایک ۲۲ کی گن درکار تھی مجھے ــــــ لائسنس کی تاریخ گزر جائے گی میں نے......"

"وہ کیوں؟ کیا گھر میں کوئی فرد تمہیں ایسا ہی ناپسند ہے؟" وہ بولے۔

"جی نہیں میں جنگلوں کی سیر کو نکلتا ہوں تو کبھی کبھی شام پڑ جاتی ہے۔"

انہوں نے ابرو چڑھا کر کہا "تو تم جلد لوٹ آنے کی کوشش کیا کرو ــــــ"

مجھے اب کچھ کچھ غصہ آچلا تھا۔ میں بھی جھلا کر بولا ــــــ "تو آپ چاہتے ہیں کہ میں کسی جنگلی جانور کے ہاتھوں مارا جاؤں؟"

"صاحبزادے میں نے تمہیں جنگلوں میں مارے مارے پھرنے کی نصیحت ہی کب کی تھی؟ تم بھائیوں کے تو شوق ہی نرالے ہیں ادھر وہ شہزادہ سارا دن کتابیں چاٹتا رہتا ہے ادھر تمہیں کتے بلیاں پالنے کا سودا ہے۔ جانوروں میں رہتے رہتے تمہاری شکل بھی جانوروں کی سی ہو گئی ہے۔" پھر انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کہا "اس گھر میں تو بس مجھے ہی محنت کرنا پڑتی ہے۔ میں ہی ہوں جو جان لڑاتا ہوں ــــــ میں ہی ہوں جسے مستقبل کی فکر ہے ــــــ میں ہر گھڑی یہی سوچتا ہوں کہ اگر کل میں مر گیا تو تم دونوں کا کیا بنے گا۔ یہ دولت، یہ سردردی تمہارے لئے

ہے۔ میں اسے ساتھ لے جاؤں گا بھلا؟ ــــ کیا میرے ساتھ دفن ہو جائے گی
یہ جائیداد، سب اولاد کے لئے کرتا ہوں اور پھر بھی ــــ پھر بھی شکر کے دو بول
کبھی سننے میں نہیں آتے ــــ بخدا اس زندگی سے تو موت اچھی!"

ان کی جوش بھری تقریر سن کر میں نے پھر بندوق کے لئے اصرار نہ کیا۔ ان
دنوں ابھی مجھے جنگل کی زندگی کا کچھ ایسا تجربہ بھی نہ تھا۔ ورنہ میں بندوق تو کیا
لاٹھی لے کر بھی جنگل کا رُخ نہ کرتا۔ اس وقت مجھے صرف جانوروں کی درندگی کا
علم تھا ان کی اخلاقیات کا سبق ابھی نہ پڑھا تھا۔ منہ لٹکا کر جب میں باہر نکلا تو
خرم بھائی سیڑھیوں پر بیٹھے تھے، مسکرا کر بولے ــــ "کیوں بھئی بندوق مل گئی؟ پڑھ
جائے گی تمہارے لائسنس پر وقت کے اندر؟"

میں نے شرمندگی کے مارے منہ پرے کر لیا تو وہ کہنے لگے "کبھی کبھی تم ایسی
بھولپن کی باتیں کرتے ہو کہ میں حیران رہ جاتا ہوں۔ قدرت کے اٹل فیصلوں سے
لڑنا ہمارا کام نہیں۔ یہاں ہر ایک کا کام معین ہے۔ ابا میاں کو پیسہ جمع کرنا ہے
بنک بیلنس بنانا ہے انہیں اس کام سے نہ روکو۔ تمہیں جانوروں سے محبت کرنا
ہے، جنگلوں کی خاک چھاننا ہے بندوق کیوں مانگتے ہو؟ موت کو اگر آنا ہوگا تو
بندوق ڈھال نہ بن سکے گی اور میں؟ میں تو یہی سوچتا رہتا ہوں کہ افزائش نسل
کے علاوہ فطرت کا کوئی اور مقصد ہی نہیں ــــ خیر!"

خرم بھائی ابھی باتیں کرتے چلے جاتے لیکن میرے کمرے کی طرف سے گوالا
بھاگتا ہوا آیا وہ دور سے ہی چلاتا آ رہا تھا ــــ "بابو جی مکھیاں لڑ گئیں جی مکھیاں
لڑ گئیں۔"

"کہاں کہاں؟" خرم بھائی نے پوچھا۔

"یہاں جی، باہو پر بابو جی"

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

ہم تینوں میرے کمرے میں پہنچے۔ میں نے گرم اور ٹھنڈے پانی کی ٹکور جاری
کر دی۔ خرم بھائی بولے ــــ "ارے میاں جلدی سے نمک رگڑو سب ٹھیک ہو
جائے گا۔"

میں نے اپنی فسٹ ایڈ جاری رکھی اور آہستہ سے کہا "جی نہیں شہد کی مکھی
جہاں بھی لڑے وہاں رگڑنا بڑا غیر مفید ہوتا ہے۔ اس طرح زہر سارے لہو میں جا
ملتا ہے اور سوجن زیادہ ہوتی ہے۔"

"پھر اب کوئی دوائی بھی لگاؤ گے کہ نہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"ابھی تھوڑا سا امونیا گھول کر لگا دوں گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا ــــ"

میں نے اپنی چھوٹی سی دوائیوں والی الماری کھولی۔ لیکن امونیا کی بوتل خالی تھی۔
ذرا سا سوڈا بائی کارب پانی میں ملایا اور روئی کے پھاہے کو تر کر کے گوالے کے
بازو پر رکھ دیا۔

خرم بھائی بڑے متعجب تھے ہنس کر کہنے لگے "یعنی چھوٹے موٹے ڈاکٹر بھی
ہو یہ بھید تو آج ہی کھلا ہے۔ ہم تو آج تک شہد کی مکھی اور بھڑ کے کاٹے پر
لوہے کی چیز ملا کرتے تھے۔"

میں نے گوالے کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولا "میرا خود ٹونے ٹوٹکے پر بڑا اعتماد
ہے۔ لیکن ڈاکٹر یہی علاج بتاتے ہیں۔ شہد کی مکھی کا ڈنگ اتنا زہریلا نہیں ہوتا
لیکن ہر جسم کی اپنی اپنی ساخت ہوتی ہے، اپنی اپنی طبیعت، بعض اوقات ...."

پھر میں خاموش ہو گیا اور چند لمحے بعد انگریزی میں بولا "بعض اوقات تو انسان شہد
کی مکھی کے کاٹے سے مر بھی جاتا ہے۔ اسی لئے میں نے اسے بٹھا لیا ہے کہ
خدانخواستہ اگر لرزہ وغیرہ شروع ہو گیا تو اینٹی ریلین کا ٹیکا لگوانے لے جاؤں گا۔"

خرم بھائی یہ سن کر بہت پریشان ہو گئے۔ بار بار اٹھ کر پھاہا اٹھاتے اور

گرائے سے پوچھتے کہیں پیچھے اکڑ تو نہیں گئے ــــ سانس تو نہیں رکتی؟ ــــ مکھی نے معمولی سا ڈنک مارا تھا۔ گرائے کو اس تشویش پر تعجب سا ہوا اور تھوڑی دیر بعد وہ بازو سہلاتا ہوا رخصت ہو گیا۔

رخصت ہونے سے پہلے اس نے مجھے نہایت دوستانہ مشورہ دیا کہ باغ کی طرف کھلنے والی کھڑکی نہ کھولوں۔ کیونکہ یہاں شہد کی مکھیاں چھتہ ڈال رہی ہیں۔

خرم بھائی بڑی دلچسپی سے مجھ سے مکھیوں کے بارے میں پوچھ رہے تھے وہ بار بار کہتے ارے نہیں، ارے واہ ـــ جانے بھی دو ـــ اور میں مکھیوں کے بارے میں ان کے ڈنک سے متعلق جو معلومات رکھتا تھا بیان کر رہا تھا۔

شہد کی ساری مکھیوں میں ڈنک نہیں ہوتا۔ صرف مادہ مکھی میں ہی ہوتا ہے۔ اس مکھی کے اندر دو قسم کی غدودیں ہوتی ہیں۔ جن میں ایک کا لعاب ایسڈ اور دوسرے کا ایلکلی ہوتا ہے یہ دونوں لیس دار مادے مل کر مکھی کا زہر بناتے ہیں لیکن آج تک سائنسدان صحیح طور پر یہ نہیں جانچ سکے، کہ دراصل یہ زہر کس نوعیت کا ہے۔ بیشتر لوگ اسے فورمک ایسڈ سمجھتے ہیں۔ لیکن اب اس بات پر اعتقاد رکھنے والوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے۔ ایک بار جب شہد کی مکھی کا ڈنک لگتا ہے تو کوئی تین بوند زہر ہمارے جسم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس میں فورمک ایسڈ کی مقدار اس قدر کم ہوتی ہے کہ ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ موجودہ سائنسدان بس ایک ہی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس کا زہر تین مختلف قسم کے زہروں کا مرکب ہے ایک زہر تو وہ ہے جو پٹھوں میں اینٹھن اور سوجن پیدا کرتا ہے۔ دوسرے زہر کی وجہ سے رعشہ طاری ہوتا ہے ــــ اور تیسرا مرکب ایسا ہے جو جسم کو سن کرتا جاتا ہے۔

مکھی کا ڈنک مچھلی پکڑنے کے کانٹے سے مشابہہ ہوتا ہے۔ اس لئے جب

UrduPhoto.com

شہد کی مکھی ایک بار کسی کے ڈنک مارتی ہے تو اس کا جینا محال ہو جاتا ہے اور اس کا ڈنک جو دشمن کے جسم میں گھس چکا ہوتا ہے واپس نہیں نکل سکتا۔ مکھی زور لگاتی ہے تو اس کا پیٹ پھٹ جاتا ہے اور اس کی غدودیں اور انتڑیاں باہر نکل آتی ہیں اور مکھی دشمن کو ذرا سا زخم عطا کرتے ہی مر جاتی ہے۔ بھڑ اور مکھی دراصل خوفزدہ ہو کر ڈنک مارتی ہیں۔ ان کے برعکس مچھر، کھٹمل اور پسو خوراک کی خاطر انسانوں کا لہو چوستے ہیں۔ جونہی شہد کی مکھی ڈنک مارے کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ کسی طرح اس کا ڈنک گوشت میں سے نکال دیا جائے کیونکہ ہمارے پٹھوں کا سکڑنا اور پھیلنا بعض اوقات اس ڈنک کو بہت اندر تک دھکیل کرلے جاتا ہے اور اسی سے خطرناک نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن مقام ماؤف کو رگڑ کر یا مسل مسل کر ڈنگ نکالنا مفید نہیں۔ کیونکہ اس طرح وہ پٹھوں میں کھل مل جاتا ہے۔"

میں نے خرم بھائی کو مکھیوں کے متعلق اپنی معلومات سے مرعوب کرنا چاہا۔ کچھ دیر تو وہ بیٹھے سنتے رہے پھر بند کھڑکی کے شیشوں میں سے باہر جھانکنے لگے میں بھی ساتھ جا کھڑا ہوا۔ اخروٹ کے درخت کی ایک لمبی ڈالی پر شہد کی مکھیاں اپنا گھروندہ تعمیر کر رہی تھیں۔ ایک گرما گرمی تھی۔ محفل سماع تھی کہ حال وقال کی سرحدوں سے آگے نکل گئی تھی، وہ جوش و خروش تھا جیسے بہار کا وقفہ محض انہی کے لئے ہو۔ خرم بھائی پر فلسفے کا دورہ پڑ گیا۔ وہ بولے "پھر تم کہو گے فطرت کچھ اور بھی چاہتی ہے۔ بھلا افزائش نسل کے علاوہ اور کیا مقصد ہے فطرت کا یہ مکھیوں کی ساری جدوجہد بھلا کس لئے ہے؟ یہ اس قدر بے چین کیوں ہیں؟ یہ اس قدر محنتی کیوں ہیں؟ مکھیوں کے ڈنک پر لیکچر دینے والے کبھی تم نے یہ بھی سوچا ہے؟"

۳

صبح میری آنکھ سورج کی پہلی کرن کے ساتھ کھلی فضا میں خیر و برکت اور سکون و راحت کا ایسا شیر گرم پیام تھا کہ اترائی میں کھلنے والی کھڑکی کھول کر کھڑا ہو گیا۔ پہاڑوں کی کوٹھیاں بڑے دلفریب انداز میں تعمیر کی جاتی ہیں۔ ذرا سی ہموار سطح پائی اور عمارت بنا ڈالی اردگرد گرتی چڑھتی پگڈنڈیاں ہوں۔ اترتی کھائیاں ہوں، کوئی پروا نہیں۔ بس عمارت یوں لگتی ہے، جیسے ہوا میں معلق ہو۔ ہماری کرائے کی کوٹھی بھی ایسی ہی تھی۔ سوائے سامنے والی ایک کوٹھی کے یہاں سے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ میں یہاں دائیں طرف کے آخری کمرے میں رہتا تھا اور میری کھڑکی کے نیچے ڈھلوان دور تک جا پہنچی تھی۔ اسی گہرائی میں ایک بڑا سا اخروٹ کا درخت شاخیں پھیلائے کھڑا تھا — جب ہوا چلتی تو اس کی کچھ شاخیں میری کھڑکیوں کو چھونے لگتیں۔

صبح کی ہلکی دھوپ اخروٹ کے پتوں میں رینگ رہی تھی۔ اچانک میری نظر سامنے شہد کے چھتے پر پڑی۔ اگر مجھے شہد کی مکھیوں کا کچھ تجربہ نہ ہوتا تو شاید میں پٹاخ سے کھڑکیاں بھیڑ لیتا اور اگر خرم بھائی ہوتے تو کمرہ چھوڑ کر بھاگ جاتے۔

لیکن آج میرے سامنے قدرت کی ایک مخلوق تھی جو صبح و شام محنت کرتی ہے جو ایسی منظم زندگی بسر کرتی ہے۔ جہاں سوشلسٹ، کمیونسٹ یا جمہوریت پسند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں کی ڈکٹیٹر ملکہ، مطلق العنان شہزادی قدم قدم پر فرمان جاری کرتی ہے۔ لمحہ بہ لمحہ چھتے کی زندگی سنوارتی ہے۔ لیکن بڑے علم کے ساتھ، نہایت انکساری کے ساتھ۔ مجھے مکھیوں کی ملکہ کا سوچ کر اپنے خرم بھائی یاد آ گئے۔ شاید ملکہ کی طرح ان کا وجود بھی فطرت نے اسی لئے بنایا تھا کہ محبت کی باتیں ہوں — گھر کی سالمیت برقرار رہے اور میر صاحبوں کا خاندان آگے

بڑھے لیکن ابھی تک خود خرم بھائی اپنی منزل کو پہچان نہ سکے تھے۔

اخروٹ کی پتیوں میں ہولے ہولے بھنبھناتی قریباً ساٹھ ہزار کی آبادی محوِ گردش تھی۔ کوئی سپاہی اس ٹریفک کے لئے مقرر نہ تھا۔ کسی قسم کے سائن بورڈ، پیڑ کی حد یا قرب و جوار کے باغی چھتوں کے حوالے موجود نہ تھے پھر بھی یہ جانیں اپنے اپنے کام میں بلا کی سرگرمی دکھا رہی تھیں۔ سورج کی کرنیں تیکھی ہو چکی تھیں اور اب چھتہ قدرے سیاہی مائل نظر آ رہا تھا اور اس پر گھومتی پھرتی مکھیوں کے پر چمکنے لگے تھے۔

لاہور کے لارنس گارڈن میں میرے دوست نے مجھے ایک اور معجزہ دکھایا تھا۔ بارش ہو چکی تھی۔ بڑا اور بہیڑے کے درختوں سے بوند بوند پانی ٹپک رہا تھا۔ میرا دوست جو لارنس میں شہد کی مکھیاں پالتا ہے۔ مجھے ایک چھتے کے پاس لے گیا۔ پہلے تو میں گھبرایا بہت کچھ ان زہریلی مکھیوں کے متعلق سن چکا تھا، آگے بڑھنے کی ہمت نہ پڑی لیکن جب اس نے بتایا کہ مکھیاں شریف النفس ہوتی ہیں انہیں اپنے کام سے کام ہوتا ہے کسی کے پھٹے میں ٹانگ اڑانا ان کا شیوہ نہیں، تو میں بھی آگے بڑھا۔ دھلی دھلائی فضا میں لٹکا ہوا مکھیوں کا چھتہ عجب رنگوں سے چمک رہا تھا۔ ننھی ننھی کتنی ساری دھنکیں اندر جھولے ڈالے ہوئے تھیں۔ تعجب سے میرا منہ کھل گیا اور میں نے پوچھا "کیوں یار یہ قوسِ قزح کے رنگ یہاں کیسے پیدا ہوئے؟"

تھوڑی دیر وہ مسکراتا رہا پھر بولا..... "بس ذرا سی بات پر آنکھیں کھل گئیں میاں یہاں عجائبات کی ایک دنیا آباد ہے۔ بارش ہوتی ہے سورج نکلتا ہے۔ اب کہیں ایک آدھ بوند ایسی اٹک گئی ہے جس پر سورج کی شعاعیں منعکس ہو کر دھنک بنا رہی ہیں اور ان سات رنگوں کی وجہ....."

میں ہنس دیا اور کہنے لگا "حضور بی۔ ایس۔ سی میں ہوں کیسا بھی ان پڑھ کیوں

UrduPhoto.com

نہ ہوں spectrum کے متعلق ضرور کچھ جانتا ہوں۔"

وہ طنز سے مسکرایا اور کہنے لگا: "یہی تو مشکل ہے کہ پڑھا لکھا آدمی زگیست کام یعنی ہوتا ہے نہ کبھی کچھ سیکھتا ہے نہ کبھی کچھ سیکھنے کی کوشش کرتا ہے بس تم نے شہد کھا لیا تو سمجھ گئے کہ بس چھتے کا بھید پا لیا۔ اگر کچھ انسان بننا چاہو تو آج میں تمہیں ان کا وہ شہر دکھاؤں جو کسی آئینہ ساز کا بنایا ہوا لگتا ہے۔ حلبی شیشے، آراستہ سڑکیں، بڑے بڑے شہد آگیں گودام، حرم سرائیں، مہمان خانے، محلات، گلیاں کوچے سب یہاں موجود ہیں، اور عمارت یوں ڈھلی ہے کہ ہم تم اگر بنانا بھی چاہیں تو نہ بنا سکیں۔ انسان انانیت کا مارا ہوا ہے کسی کے تجربے سے نہیں سیکھتا۔ مکھیاں ایسی بے وقوف نہیں ہیں۔ ان کا ایک چھتہ دوسرے چھتے سے چھوٹا ہو تو ہو، مختلف کبھی نہیں ہوتا۔ یہ جنس تجرباتی دور میں سے گزر چکی ہے۔ آرام، آسائش اور جمالیات کی ان سرحدوں کو انہوں نے چھو لیا ہے کہ اب مزید ترقی کی گنجائش باقی ہی نہیں رہی۔"

میں چھتوں میں واقعی دلچسپی لینا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی تقریر سن کر بولا "ایک مشکل تو یہ ہے کہ تم باتونی بہت ہو۔"

وہ ہنسا اور کہنے لگا ـــــ "جو لذت صحیح شیخی بگھارنے میں ہوتی ہے وہ تھوتھی باتوں میں نہیں ہوتی سرے سے کبھی تینہ وا دیکھا ہی نہیں اور ڈیڑھ گھنٹہ مجھے لیکچر پلا تا رہا اب دو باتیں کام کی میں نے بتا دی ہیں تو کسی ان پڑھ عورت کی طرح منہ تھتھا کر بیٹھ گیا ہے چل تجھے ایک خالی چھتہ دکھاؤں بی ایس سی ـــ کبھی یاد کرے گا کوئی گورو ملا تھا۔"

UrduPhoto.com

اس نے مجھے ایک خالی چھتہ دکھایا جس میں سے مکھیاں اڑ چکی تھیں۔ اس سب آباد شہر کی سڑکوں میں بیلچے کی شکل کی لمبی چمکدار پیلی گوند جا بجا لٹکی ہوئی تھی۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

ان کی چھتوں کے دونوں طرف مکھیاں متواتر کام کرتی ہیں۔ ایک چھتے سے دوسرے چھتے تک بمشکل تمام اپنچ کے آٹھویں حصے برابر فاصلہ ہوتا ہے لیکن سارے چھتوں میں یہ فاصلہ ہمیشہ برابر اور متوازی ہوتا ہے۔

یہ داستان ذرا طولانی ہے خود میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مرغی پہلے پیدا ہوئی کہ انڈا۔ یعنی یہی مکھیوں کے چھتے کا حال ہے۔ چھتہ پہلے بنتا ہے کہ ملکہ مکھی پہلے جنم لیتی ہے؟ یہ سلسلہ دراصل یوں شروع ہوتا ہے کہ ملکہ اپنے کارکنوں کو لے کر کسی ایسی جگہ کی تلاش میں چل کھڑی ہوتی ہے جہاں پہنچ کر وہ اپنا گھر تعمیر کرنا چاہتی ہو۔ کسی درخت کی کھوہ یا شاخ کا انتخاب کرنے کے بعد ملکہ تو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہتی ہے کہ کب زچہ خانہ تیار ہو تو انڈے دے۔ ادھر کارکن مکھیاں ہر جگہ اڑتی پھرتی ہیں اور پھولوں کا پولن جمع کرتی ہیں۔ آج تک سائنسدان سمجھ نہیں پائے کہ کس طرح یہ زرِگل موم میں تبدیل ہوتا ہے اور پھر یہی موم کس طرح شہد کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ تمام مکھیاں اپنے حصے کا زرگل سمیٹ کر ملکہ کے اردگرد آ بیٹھتی ہیں اور اٹھارہ سے چوبیس گھنٹے تک اسی جگہ بیٹھی رہتی ہیں پھر ہر مکھی کے پیٹ پر سے چھوٹے چھوٹے جھلی نما پرت اترنے لگتے ہیں۔ موم بنانے والی کارکن مکھی کے پیٹ تلے قدرت نے چار جیبیں سی بنا رکھی ہیں جن میں وہ ان جھلیوں کو رکھ کر موم بناتی ہیں۔ جونہی تمام مکھیوں کے موم سے بھرے یہ خانے اتر جاتے ہیں۔ ایک انجینئر مکھی سنگِ بنیاد ڈالنے کے لئے آگے بڑھتی ہے۔ باقی کارکنوں کو فرشِ راہ کرتی، دائیں بائیں دیکھے بغیر وہ جگہ کا انتخاب کرتی ہے راہ میں اس قدر مکھیاں ہوتی ہیں کہ راہ ملنا مشکل ہوتا ہے لیکن وہ کسی کی پروا نہیں کرتی۔ مسلتی، دلتی لڑتی جھگڑتی آگے بڑھ نکلتی ہے پھر اپنے منہ اور ٹانگوں سے وہ موم کا ایک ریزہ اپنے پیٹ سے چپکے ہوئے آٹھ ریزوں میں سے علیحدہ کرتی

ہے اسے اپنے لعاب سے پلستر لگا کر اور سیدھا کر کے پہلا اڈا جماتی ہے۔ اس اثنا میں "پتھر" گھڑنے کا مشغلہ باقی مکھیوں میں جاری ہو چکا ہوتا ہے۔ پہلی مکھی جونہی سنگ بنیاد رکھ کر پلٹتی ہے ایک اور مکھی بڑھتی ہے اور اپنا قیمتی ریزہ نہایت سلیقے سے جما آتی ہے اگر اسے پہلی مکھی کے کام میں کچھ نقص نظر آتا ہے تو وہ تکلف بغیر جتائے اسے درست کر دیتی ہے۔ ہولے ہولے موم کا ایک تودا یہاں جمع ہو جاتا ہے اور اصل عمارت کا نقشہ بننے کی آس بندھتی ہے۔ اب معماروں کی باری آتی ہے۔ یہ معمار مکھیاں خود تو موم نہیں بنا سکتیں حجرے تعمیر کرنا انہی کا کام ہے۔ اس موم کے تودے میں وہ کھدائی کرتی ہیں۔ وافر موم کو کناروں پر اٹھا کر اپنا راستہ لیتی ہیں اور آگے بڑھتی جاتی ہیں۔

یہ حجرے تعمیر کر لینے کے بعد زبان کی شکل کا ایک اور مومی تودا بنتا ہے ان پر پھر شش پہلو کمرے بنتے ہیں ان کمروں کی قطاریں ایک دوسرے سے کچھ معین فاصلے پر ہوتی ہیں اور جب چھتے کی تمام عمارت بن جاتی ہے تو یہی فاصلے راستے بن جاتے ہیں۔ جن میں مکھیاں آتی جاتی ہیں۔ عموماً یہ عمومی گذرگاہیں اتنی کھلی ہوتی ہیں کہ دو مکھیاں پہلو بہ پہلو گزر سکتی ہیں۔ کبھی کبھار یہ کارکن مکھیاں اپنے معماروں کی طرح غلطیاں بھی کر بیٹھتی ہیں اور مومی چھتے جن کی دیواروں میں حجرے ہوتے ہیں ٹیڑھے ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھار گلیوں کا راستہ بھی تنگ رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے دن دے ٹریفک کے اصولوں پر چلنا پڑتا ہے اور منتظم مکھیاں یہ ٹریفک کنٹرول کرتی ہیں۔

چھتے کی عمارت بڑی خوبی سے بنائی جاتی ہے اور اس میں چار قسم کی کوٹھڑیاں ہوتی ہیں۔ شاہی حجرے جن میں شہزادیاں پرورش پاتی ہیں۔ پھر وہ بڑے کمرے جن میں نر مکھیوں کا ٹھکانہ ہوتا ہے اور جن میں شہد جمع کیا جاتا ہے۔ تیسری قسم کی

کوٹھڑیوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوتی ہے اور سارے چھتے میں قریباً ۳/۴ حصہ ان ہی حجروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پھر وہ ننھے ننھے کمرے اور گیلریاں بھی ہوتی ہیں، جو ان سارے حجروں کو آپس میں ملانے کا کام دیتی ہیں ان کی وضع قطع میں وہ مناسبت اور نفاست نہیں ہوتی جو باقی حجروں میں دکھائی دیتی ہے۔

بیشتر سائنسدانوں کو یہ بات متحیر کئے ہوئے ہے کہ جب بھی یہ حجرے تعمیر کیے جاتے ہیں ان کی عمارت چھ گوشیہ ہی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ نکلی کہ چونکہ دونوں طرف سے مکھیاں برابر کام کر رہی ہوتی ہیں اور ان کی منشائیہ ہوتی ہے کہ کمرے گول بنیں تو مکھیوں کی قوت کا باہمی تصادم یہ کونے پیدا کر دیتا ہے جیسے اگر مٹر کے دانے تنگ دیگچی میں ڈال کر ابالے جائیں تو وہ شش پہلو بن جاتے ہیں کیونکہ ہر دانہ برابر کی قوت سے دوسرے دانے کو دباتا ہے۔ اس طرح ہر مکھی کی ہوس ناک خواہش مجموعی طور پر ایک خوبی بن جاتی ہے اور چھتے کے لئے اتنی مفید ثابت ہوتی ہے کہ یہ حرص و طمع ہی ان کی بہبودی کا باعث بنتی ہے۔

ان لاکھوں حجروں میں سے دس ہزار کوٹھڑیوں میں انڈے ہوتے ہیں، قریباً پندرہ سولہ ہزار حجروں میں لاروا رہتا ہے اسی لاروا کی دیکھ بھال دایہ مکھیاں کرتی ہیں، قریباً چالیس ہزار کوٹھڑیاں ایسی ہوتی ہیں، جن میں جل پریاں سی رہتی ہیں۔ یہ جل پریاں لاروا ہوتی ہیں، جنہیں شہزادی یا محنتی مکھی یا نکھٹو بننا ہوتا ہے بلکہ حجروں میں نیلگوں سفید لمبوترے انڈے دیتی ہے جونہی ملکہ انڈا دے چکتی ہے دایہ مکھیاں اس کے پاس جل پری کی خوراک دھر دیتی ہیں تاکہ انڈے سے نکلنے کے بعد وہ بھوکوں نہ مر جائے انڈا پھوٹنے کے بعد لاروا آٹھ دس دن تک اسی شکل میں رہتا ہے۔ اس کے بعد باقی مکھیاں جل پریوں کے حجرے بند کر دیتی ہیں اور یہ لاروا ریشم کے کیڑے جیسا پتلا کویا اپنے گرد بن کر پڑا رہتا ہے۔ یہ حریر و پرنیاں

UrduPhoto.com

میں لپٹی ہوئی چیزیں یوں لگتی ہیں۔ گویا ریشمی کفنوں میں ملبوس حنوط شدہ مومی لاشیں ہوں۔ تین چار اور کبھی کبھار سات آٹھ شاہی کمرے ہوتے ہیں جن میں شہزادیاں آرام کرتی ہیں یہ شاہی کمرے زیادہ کشادہ اور آرام دہ ہونے کے باوجود باہر کی طرف سے بالکل بند ہوتے ہیں۔ انہیں روشنی سے یوں بچایا جاتا ہے۔ جیسے بڑی بوڑھیاں مایوں بٹھا کر لڑکی کا رنگ روپ نکھارا کرتی ہیں۔ مستقبل کی یہ رانیاں سفید ریشم ایسے کفنوں میں لپٹی خاموش پڑی رہتی ہیں۔ جیسے اپنے انجام کو بخوبی جانتی ہوں۔ ان کے اردگرد گھومتی پھرتی کنواری کارکن مکھیوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ وہی انہیں کھلاتی پلاتی ہیں۔ ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی ہیں اور یہ شہزادیاں اس قدر آسانی کے باوجود سوچتی ہوں گی کہ مالک ہو کر محکوم ہونا۔ شہزادی بن کر لونڈیوں کی سی زندگی گزارنا ——— محبت کے لئے پیدا ہونے کے باوجود اس کیفیت سے گریزاں رہنا کتنا مشکل ہے کتنا کٹھن ہے ——— !

مکھیوں کا چھتہ کھڑکی کے سامنے لٹکا ہوا تھا۔ ایک میلہ سا لگا تھا۔ یہ مکھیاں بہار کی خوشبوئیں اور روح اڑا کر لا رہی تھیں۔ شہر بن رہا تھا۔ اتنے چھوٹے سے شہر میں اتنی ڈھیروں مکھیاں آباد تھیں کہ اندر اندھیرا تھا اور باہر کی سطح سیاہ نظر آتی تھی۔ مجھے مکھیوں پر تعجب آ رہا تھا۔ ہم لوگ ان کے سامنے کتنے خود غرض اور کاہل تھے ہمارے اپنے اپنے بنک بیلنس ہیں اور اپنی اپنی کوٹھیاں ہیں۔ ہم کسی کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتے کیونکہ ہمارے دل کا چور بیت المال پر ایمان نہیں رکھتا یہ تو خیر بہت مشکل کام ہے ہمیں تو شہر بسانا بھی نہیں آتا۔ کوٹھیاں ہیں کہ ایک سے دوسری نہیں ملتی۔ مکان ہیں کہ ان کی ساخت عجیب سے عجیب نمونہ پیش کرتی ہے ہم نے پنکھے ایجاد کر لئے ہیں ایر کنڈیشنڈ کمرے بنا لئے ہیں لیکن اکثریت کے گھر نہ سردیوں میں گرم ہیں نہ گرمیوں میں ٹھنڈے۔ یہ ننھی ننھی جانیں ہیں لیکن اپنے شہر کو ہمیشہ حرارت

UrduPhoto.com

سے بچاتی ہیں۔ گرمیوں کے تپتے دنوں میں بھی ان کا موم گھر کبھی نہیں پگھلا۔ قطار اندر قطار کھڑی اپنے پردوں سے اتنی جلدی پنکھا جھلتی رہتی ہیں کہ پر نظر ہی نہیں آتے۔ سردیاں ہوں تو کارکن مکھیاں اپنے ملنے سے جسم کی حدت سے شہر کو گرمائے رکھتی ہیں۔ باہر چاہے برف پڑے چاہے آگ برسے اندر وہی ایک معتدل سہ پہر کا سا سماں ہوتا ہے۔

اتنی لاتعداد مکھیاں ہر لمحہ زرِ گل لاتی ہیں۔ موم اور شہد کی دنیا میں کتنا گند جمع ہو سکتا ہے۔ اس کا اندازہ لگا لیجئے۔ لیکن یہاں کے خاکروب کبھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھ رہتے ادھر کچھ گرا ادھر انہوں نے سمیٹا۔ ہوا کے جھونکوں سے جو ریت اور پتے اندر آ جاتے ہیں۔ انہیں فی الفور اٹھا لیا جاتا ہے۔ سردیوں میں جب ژالہ باری ان مکھیوں کو باہر نکلنے نہیں دیتی تو یہ صفائی پسند مکھیاں ہزاروں کی تعداد میں مر جاتی ہیں کیونکہ اردگرد کا پھیلا ہوا کوڑا کرکٹ ان کی صحت کے لئے بہت مضر ثابت ہوتا ہے۔ چھتے کے کاہل بانکے جنہیں کھا پی کر پڑے رہنے کے علاوہ اور کچھ کام ہی نہیں ہوتا سب سے زیادہ غلاظت پھیلاتے ہیں لیکن خاکروب مکھیوں کی بھی داد دینا پڑتی ہے جو لمحہ بھر کو بھی شہر گندا نہیں ہونے دیتیں۔

ان کاہل بانکوں کا جب کبھی بھی مجھے خیال آتا ہے۔ میں یہی سوچتا ہوں مگر بالکل میری طرح ہر گھر میں ایسے ہی جوان ہوں گے جو اصطبل کے سانڈوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں۔ کھا لیا۔ سو لیا۔ جہاں کپڑے بدلے پرانے جامے کو اٹھانے کی کوشش نہ کی۔ جس شیشی کا ڈھکنا کھولا پھر کبھی واپس نہ لگایا۔ خط پڑھا اور لفافہ پرزے پرزے کر کے فرش پر پھینک دیا ——— یہ اس لئے کہ ہر گھر میں کارکن مکھیوں کا ایک چپ چاپ دستہ ہر وقت کام کرتا رہتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی اماں اور عذرا ایسی ہی کارکن مکھیاں ہیں جن کی ساری عمر کام کرتے ہی نکل جائے گی اور انہیں

احساس تک نہ ہو گا کہ عمر نے نہیں محنت نے ان کے بال سفید کر دیئے ہیں۔ محنت نے ان کی کمر میں جھکاؤ پیدا کر دیا ہے اور محنت ہی نے ان کی زندگی کی مدت برقرار رکھی ہے۔

ناشتے کے لئے میں کھانے کے کمرے میں پہنچا تو عذرا جھاڑن لئے کارنس صاف کر رہی تھی عذرا کو صفائی کا جنون ہے۔ کونے کھدروں میں سے انگلی پھیر کر میل نکال لیا کرتی ہے۔ میں نے قریب پہنچ کر اسے کندھوں سے پکڑ لیا اور بولا ــــ "بی شہد کی مکھی ذرا تھوڑی دیر تو رک جاؤ ــــ"

"شہد کی مکھی؟ تم ہو گے بھڑ ــــ مجھے مکھی کہا تو اماں سے شکایت کروں گی ــــ" عذرا چڑ کر بولی۔

"ہیں؟ میں تو تعریف کر رہا تھا۔" میں نے کہا۔

عذرا کو بازو سے گھسیٹ کر پاس بٹھا لیا اور بولا ــــ "تم کیا جانو یہ تعریفیں، یہ شناخوانیاں۔" پھر میں نے اُسے چائے کا پیالہ بنانے کا اشارہ کیا خود کرسی کی پشت سے سر جما لیا اور کہنے لگا ــــ "عذرا ابھی میں اپنی کھڑکی میں کھڑا مکھیوں کا ایک چھتہ دیکھ رہا تھا۔ خرم بھائی کی طرح مجھ پر بھی فلسفے کا دورہ پڑ گیا۔ میں سوچنے لگا ہمارا گھر بھی مکھیوں کا چھتہ ہے۔ اس میں ابا جان ہر طرف سے لا کر دولت جمع کرتے ہیں۔ اماں اور تم محنتی اور جفاکش رکن ہو جو سارا دن جان لڑاتی ہو۔ میں وہ سست الوجود نکما مرد ہوں جو بس کھانا پینا اور آرام کرنا جانتا ہے۔"

عذرا نے بڑے طنز سے ابرو چڑھا کر پوچھا ــــ "اور خرم بھائی تمہارے حساب سے کیا ہیں؟"

"خرم بھائی؟ ــــ خرم بھائی بظاہر تو مکھی ہیں، سست الوجود ہیں، ان کے وجود میں اور میرے وجود میں بس ایک ہلکا سا فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ ان

سے اس گھر کی سالمیت قائم ہے۔ وہ نہ ہوں تو ہمارا شیرازہ بکھر جائے وہ اس چھتے کی ملکہ ہیں۔"

اب عذرا نے میز پر کہنیاں ٹکا لیں اور دلچسپی سے بولی ــــ "اور میاں مکھے مجھے ہی ذلیل محنتی مکھی بنانا تھا؟ میرے لئے کوئی اچھا عہدہ تمہیں نظر نہ آیا؟"

میں نے کہا ــــ "عذرا! تم اس عجیب و غریب مخلوق کو نہیں جانتی ہو، فی الحال مجھے جاننے کی ضرورت بھی نہیں جناب عالی، آپ جلدی جلدی چائے پئیں مجھے سری پائے پکانے ہیں ــــ"

میں ذرا فلسفے کے موڈ میں تھا بولا ــــ "عذرا بیگم کوئی اچھا کام بھی کبھی کیا کرو۔ گوشت کھانا اول تو میرے نزدیک گھٹیا فعل ہے۔ لیکن اگر گوشت کھانا ہی ٹھہرا تو کچھ ایسی بوٹیاں پکایا کرو جن کا سر سری نظر میں جانور سے کوئی تعلق نظر نہ آئے ــــ سری پائے، دل، پھیپھڑے کھانا تو بہت بڑی حماقت ہے۔"

عذرا نے میری بات کی پروا نہ کی اور باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ میں چپ چاپ بیٹھ کر چائے پینے لگا۔ لیکن مجھ پر شہد کی مکھی بُری طرح سوار تھی چائے پیالے میں ٹھنڈی ہو گئی۔ سطح پر ہلکی سی تہہ ابھر آئی اور جب میں نے نظریں اٹھائیں تو سامنے خرم بھائی کھڑے مسکرا رہے تھے مجھے دیکھ کر بولے ــــ

"کیوں میاں کیا سوچ رہے ہو؟"

میں نے بھی شگفتگی سے جواب دیا، "یہ سوچ رہا تھا خرم بھائی کہ زیبرا سفید ہوتا ہے یا سیاہ؟"

"بھئی، نہ سفید ہوتا ہے نہ سیاہ۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"یہی تو میں پوچھتا ہوں ــــ سفید جانور پر سیاہ دھاریاں ہوتی ہیں کہ سیاہ جانور پر سفید دھاریاں؟ فرمائیے؟"

UrduPhoto.com

عذرا نے بُننا چھوڑ دیا اور بولی "پتہ نہیں کیا بات ہے لیکن میرا خیال ہے کہ
میں لوگوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی یہ محبت بڑی عجیب وغریب ہے لیکن ہے
ضرور۔ مجھے راہ چلتے لوگوں سے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔ اگر وہ مر جائیں تو میری بلا سے
لیکن وہ مجھے چلتے پھرتے ضرور نظر آئیں۔ محبت تو میں صرف گھر والوں سے کرسکتی ہوں
لیکن سڑکوں پہ پھرنے والے بھی میری مسرت کے لئے بڑے اہم ہیں؟
تبھی تو میں کہتا ہوں کہ تم نِری پُری شہد کی مکھی ہو"

"یعنی؟"

"یعنی یہ عذرا ــــ" میں نے سونف کے دانے منہ میں ڈال کر کہا "شہد کی مکھی کو
جاننے کے لئے ایک عمر درکار ہے۔ مکھی گروہ میں رہتی ہے۔ ٹکڑیوں میں اڑتی ہے
چھتے کی نگرانی میں اس کی غور و پرداخت میں ساری مکھیوں کا حصہ ہوتا ہے۔ کبھی
یوں نہیں ہوتا کہ ایک مکھی اُٹھے اور کہے دیکھو یہ کام میں نے کیا ہے یہ امرت
میں لائی ہوں۔ یہ زرِگل میرا ہے۔ اپنی ننھی منی ٹوکریوں میں وہ پھولوں کا زیرہ اکٹھا
کرلاتی ہے اور بیت المال میں جمع کرتی جاتی ہے۔ ان کی محنت مستقبل کے لئے،
باقی قوم کے لئے ہے، آنے والے بچوں کے لئے ہے"

عذرا نے دلچسپی سے پوچھا ــــ "تو یہ مکھیاں ہمیشہ گروہ میں کام کرتی ہیں کیا؟
کیا ان کی ذاتی اغراض نہیں ہوتیں؟"

میں نے ہنس کر کہا ــــ "ان کی تمام ذاتی اغراض ایک نقطہ پر مرکوز ہیں
اور وہ نقطہ ہے مستقبل۔ ایک چھتے میں اپریل سے لے کر ستمبر تک قریباً چھ من
شہد تیار ہوتا ہے۔ ایک بوند شہد کے لئے قریباً تین سو پھولوں کا زرِگل ڈھونڈنا
پڑتا ہے اور ہر مکھی قریباً دو منٹ بعد اپنی ٹوکری بھر کر گھر لوٹتی ہے۔ تمہارا کیا خیال
ہے کارکن مکھی کو اتنی خوراک کی ــــ ضرورت ہے؟ لیکن اسے ملکہ کا خیال ہے

خرم بھائی ہنس دیئے اور بولے ــــ "میاں تم تو سوچتے سوچتے کسی دن خود
ہی زیبرا بن جاؤ گے"

۴

عذرا کو سیر کا شوق تو بہت ہے لیکن مجھے اس کی ایک عادت سے بڑی چڑ ہے
چلتی ہے تو آنکھیں ہاتھوں پر جمی ہوتی ہیں اور ہاتھوں میں یہ لمبی لمبی سلائیاں
ہوتی ہیں۔ ٹک ٹک ٹک ٹک۔ دھاگا آگے پیچھے چلتا ہے۔ دائیں بازو میں لٹکا ہوا
پلاسٹک کا تھیلا ہلتا رہتا ہے اور یہ کہ جناب سیر ہو رہی ہے۔ خرم بھائی اس قدر
پوستی ہیں کہ کبھی عذرا کو ساتھ لے جاتے ہی نہیں۔ رہ گیا میں تو مجھے عذرا اچھی لگتی
ہے بڑی متجسس، بڑی ہنس مکھ اور نہایت خوشگوار۔ لیکن اسے سیر پر لے جانا
مجھے کسی قیمت پر بھی منظور نہیں۔

دوپہر ڈھل چکی تھی اور ہم اپنے معمول کے مطابق سیر کے لئے تیار ہو چکے تھے
عذرا کے بازو پر پلاسٹک کا تھیلا تھا اور میری جیبوں میں مٹھی بھر میٹھی سونف تھی میں
ٹائی باندھ رہا تھا جب عذرا میرے کمرے میں آئی اور بولی۔

"کیا آج سیر پر نہیں جائیں گے؟"

"بس ذرا سی دیر میں چلتے ہیں ــــ" میں نے جواب دیا۔

"مال کی طرف چلیں گے وہاں بڑی رونق ہوتی ہے"

"مجھے اس رونق سے بڑی چڑ ہے۔ تمہارے ہوتے ہوئے کوئی لڑکی ہماری طرف
دیکھتی نہیں اور یوں دل جلانے سے بہتر ہے کہ سیر ہی نہ کی جائے"
عذرا نے سر گھما کر کہا "اور میں ان سنسان راہوں پر نہ جاؤں گی جہاں جھاڑیوں
میں سے [illegible] بھاتی ہیں جہاں لوگ نہ ہوں وہاں نہ زندگی کا کیا لطف؟"
میں نے جلدی سے سوال کیا "عذرا کیا تمہیں لوگوں سے اتنی ہی محبت ہے؟"

UrduPhoto.com

جو کبھی شہد جمع کرنے نہیں جا سکتی ان شہزادیوں کی پرورش منظور ہوتی ہے، جن کی خوراک عام شہد کو مقطر کر کے بنائی جاتی ہے۔ ان نرگسوں کو پالنا ہوتا ہے جو سارا دن کھانے پینے کے سوائے اور کسی بات کا خیال نہیں کرتے۔"

"تو کیا یہ نر بالکل کام نہیں کرتے؟" عذرا نے پوچھا۔

"کام! مکھیاں تو تقسیم کار کا اصول جانتی ہیں اور ان کی تقسیم کار کا غلط مطلب لے کر ہم بظاہر کام نہ کرنے والوں کو نکھٹو کہنے لگتے ہیں۔"

عذرا نے جلدی سے کہا ــــ "میں نے بھڑ کا خالی چھتہ دیکھا ہے، ویسا ہی یہ چھتہ بھی ہوتا ہوگا۔"

"ویسا ہی ہوتا ہے لیکن بھڑ کبھی بھی مکھی کی قابلیت کفائیت شعاری دور اندیشی کو نہیں پہنچ سکتی۔ یہ شش پہلو کمرے ایک انچ میں پورے اٹھائیس سماتے ہیں۔ ان کی موم ساٹن کی طرح ملائم اور زرد سنگ کی طرح پختہ ہوتی ہے۔ تمام حجرے چھتے کی ضرورت کو مدنظر رکھ کر تعمیر کئے جاتے ہیں۔ پتہ نہیں ان حجروں میں کیا خاصیت ہے کہ اگر کارکن مکھی کے حجرے میں ملکہ مکھی انڈا دیتی ہے تو کنواری محنتی مکھی پیدا ہوتی ہے اور اگر کھلے شاہی کمرے میں انڈا دے تو بھرپور شہزادی جنم لیتی ہے۔ یہ انڈے کی خاصیت پر منحصر نہیں ہے۔ ساری حجرے کی کرامات ہے۔ اگر شاہی محل کا انڈا نکال کر کارکن مکھی کے حجرے میں رکھ دیا جائے تو بائیس دن کے اندر اس میں سے ایک محنتی مکھی نکل آئے گی اور اگر یہی انڈا شاہی حجرے میں رکھا جاتا تو سولہ دن میں اس میں ایک شہزادی نکلتی۔ جس سے چھتے کی تمام امیدیں وابستہ ہوتی ہیں جو آئندہ کئی چھتوں کی حاکم اور ملکہ بن کر زندگی گزارتی۔"

عذرا نے اپنا تکیہ اور سلائیاں ایک طرف رکھ دیں اور بڑی دلچسپی سے بولی ــــ "کچھ تو فرق کارکن مکھی اور نر کی ظاہری ساخت میں بھی ہوگا نا؟"

"بالکل! بالکل، ننھی سی کارکن مکھی کو اللہ میاں نے ایسی بہت سی چیزیں عطا کی ہیں جن کی مدد سے وہ امرت بناتی ہے۔ زیرۂ گل اکٹھا کرتی ہے اور شہد جمع کرتی ہے، ایک تو وہ نالی ہوتی ہے، جس کی مدد سے وہ پھولوں کا امرت اڑاتی ہے پھر ٹانگوں پر تیکھے بالوں کی وہ ٹوکریاں ہیں جن میں وہ پھولوں کا زیرہ اکٹھا کرتی ہے۔ ننھی ننھی کنگھیاں بھی ان ہی ٹانگوں پر ہوتی ہیں۔ جن کی مدد سے وہ یہ زیرہ گل جھاڑ کر جمع کر لیتی ہے۔ برش کی طرح کے سخت بالوں کی مدد سے وہ اپنی ٹانگیں صاف کرتی ہے اور چھتہ گندا نہیں ہونے پاتا۔ دانتوں کی مدد سے وہ موم کو کاٹتی، ڈھالتی، اور حجرے بناتی ہے۔ ان نعمتوں کے علاوہ اس کے اندر وہ مختلف قسم کی غدودیں بھی ہوتی ہیں جو موم بنانے کے کام آتی ہیں۔ شہزادیوں کی خوراک عام مکھیوں سے مختلف اور لطیف ہونے کے باعث بڑی احتیاط سے بنتی ہے۔ یہ صرف دایہ مکھیوں کی غدودیں بنا سکتی ہیں۔ دایہ مکھیاں کم عمر ہوتی ہیں۔ لیکن ذرا پختہ ہو جانے پر یہ مکھیاں بھی موم بنانے لگتی ہیں۔ کارکن مکھی کا لاروا اور شہزادیاں یہی امرت کھا کر پلتی ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ کارکن مکھی کا لاروا صرف دو چار روز یہ لطیف غذا کھاتا ہے اور شہزادی آخر تک اسی خوراک پر پلتی ہے۔"

اب عذرا نے سر گھما کر کھڑکی کی طرف دیکھا اور بولی "ہائے سامنے درخت پر چھتہ جو لگا ہے تبھی تمہیں اس قدر دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔"

میں نے جوتوں پر کپڑا پھیرتے ہوئے کہا ــــ "نہیں دلچسپی تو عرصہ سے ہے اب ان کا اور میرا صبح و شام کا ساتھ ہے اس لئے میں ان کے متعلق زیادہ سوچتا رہتا ہوں۔"

پھر میں کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ آج صبح سے مکھیوں کے سنتری منہ تھتھائے

پتے سے چمٹے ہوئے تھے۔ زیرہ گل سے بھری ہوئی ٹوکریاں لاد کر جب مکھیاں پلٹتیں تو یہ سختی سے ان کی راہ روک کر کھڑے ہو جاتے۔ ان کے رویہ سے غصہ اور جھنجلاہٹ ہی ظاہر نہ تھی بلکہ ایک قسم کا خوف بھی نمایاں تھا۔ محنتی مکھیوں کا رویہ بھی آج سارا دن مختلف سے مختلف رہا تھا۔ اس طرح کی نفسا نفسی اور افراتفری ہر طرف پھیلی تھی۔ صبح کئی گھنٹے میں نے کھڑکی میں کھڑے کھڑے گزارے تھے۔ بیشتر مکھیاں آج کام پر نہ نکلی تھیں۔ فضا میں غصے اور جھلاہٹ کا مظاہرہ تھا۔ پنکھا قلی بڑی مستعدی سے چھتہ ٹھنڈا کرنے میں مصروف تھے اور اب تو یہ ظاہر ہوتا تھا کہ مکھیاں مزید زرِ گل لانے کے بجائے گودام میں سے شہد سمیٹ کر اڑنے کے لئے تیار ہیں۔

میں نے آسمان پر نظر دوڑائی اور بولا: "عذرا آج گھر پر ٹھہرتے ہیں کچھ گپ شپ رہے گی۔ میں تمہیں سانپوں کی کہانیاں سناؤں گا تم میرے لئے چائے بنانا"

عذرا اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی ——— "جی ہاں چائے بھی میں ہی بناؤں اور کہانی بھی مجھی کو ڈرائے چلنا ہو تو چلو ورنہ میں اکیلی چلی جاؤں گی"

میں نے چھتے کی سرگرمی اور بے اطمینانی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا: "میری پیاری مدھو مکھی آج ہمیں بارش گھیرے گی، تمہارے کپڑے بھیگ جائیں گے، لپ سٹک اتر جائے گی اور تم بھیگی بلی بن کر میرے ساتھ چپک جاؤ گی"

"بارش؟ ——— کیسی بارش؟ آسمان پر سورج چمکتا ہو تب بھی کہیں بارش ہوتی ہے؟"

میں نے چلتا سا منہ بنا کر کہا: "میرے استاد نے مجھے جانوروں کی مدد سے موسمیات کا حال پتہ لگانا سکھایا ہے تم ابھی کچی ہو جانوروں کی بولی سمجھ نہیں سکتی ہو"

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

عذرا کمرے سے باہر نکل گئی اور چڑ کر بولی: "تمہیں اگر آنا ہو تو آجاؤ ورنہ میں پنڈی پوائنٹ کی طرف چلی ہوں۔ ابا جان نے پوچھا تو صاف کہہ دوں گی بگھیلے حضرت ساتھ نہ چلتے تھے۔ تو ہم کیا کرتے؟ ———"

عذرا کا تعاقب کرنے سے پہلے میں نے ایک نظر پھر چھتے پر ڈالی۔ بارش کی آمد تھی۔ کیوں کہ مکھیوں کا اضطراب حد سے زیادہ بڑھ گیا تھا۔

بادل ابھی اپنی ننھی ننھی بوندیں سمیٹے ہوئے ہولے ہولے پہاڑیوں کی طرف چل رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے سیاہ دھوئیں کے مرغولے سلیٹی سڑک کو چاٹتے ہوئے نکلے جا رہے ہیں۔ میں اور عذرا سڑک کے ساتھ لگی ہوئی ریلنگ کے پاس رُک کر کھڑے ہو گئے۔ بادل وادی میں تیرتے ہوئے چڑھے آ رہے تھے پہاڑوں کی بارشیں بڑی دلفریب اور رومانی ہوتی ہیں۔ گھنٹوں مینہ برسے تو بھی کیچڑ نہیں ہوتا۔ نیکھی سڑکوں پر ننھے ننھے چشمے پھوٹ بہتے ہیں لیکن یہ کیفیت دیر تک نہیں رہتی۔

ہم دونوں مال کے بازار سے بہت آگے نکل آئے تھے۔ درختوں کی ڈالیاں زور زور سے ہلنے لگی تھیں۔ ہمارے سامنے ایک بکریوں والا بکریاں ہنکاتا جلدی جلدی چلا جا رہا تھا۔ بکریاں ممیاتی گھنٹیاں بجاتی ادھر اُدھر نکل جاتیں۔ گرجے کی سیڑھیوں کے قریب ہمیں اندھیرے نے گھیر لیا اور اکا دکا بوندیں اترنے لگیں۔ عذرا نے ناک کی پھننگ سے ایک بوند پونچھتے ہوئے کہا: "بارش آ ہی گئی"

"جناب!"

"یہ تو اب اتفاق کی بات ہے رکی مکی کہ تمہیں پتہ چل گیا تھا ورنہ ———"

"جناب!"

"واپس نہ چلیں؟" عذرا نے ملتجیانہ نظروں سے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں ابھی پنڈی پوائنٹ پہنچ جائیں گے۔ بس دس منٹ کی اور بات ہے۔"

"دوسروں کی باتیں ان کے خلاف استعمال کرنا خوب جانتے ہو۔"

ہم دونوں جلدی جلدی بڑھ رہے تھے۔ بائیں طرف کی گہری اترائی اب بادلوں کی لپیٹ میں آچکی تھی۔ سامنے جہاں جہاں بوندیں پڑتیں سلیٹی سڑک پر سیاہ دھبے پڑتے جاتے۔ درختوں کی ڈالیاں اب زور زور سے ہلنے لگی تھیں اور بارش کی خوشبو فضا میں پھیل گئی تھی۔ بکریوں والا بازار میں ہی کہیں غائب ہو چکا تھا اور اب سپاٹ سڑک پر بارش کی چادر تھی اور ہم تھے۔ مینہ اس طرح پڑ رہا تھا جیسے پرانی فلم پر لکیریں پڑی ہوں۔ سڑک کے بائیں طرف گدلا مٹیالا پانی ننھی ندیوں کی صورت میں بہتا جا رہا تھا۔

عذرا سر سے پاؤں تک شرابور ہو چکی تھی۔ میری پینٹ دو دو انچ اوپر اٹھ گئی تھی اور جوتے "پچ پچ" کرنے لگے تھے۔ پلاسٹک کے تھیلے کو عذرا نے بہت بچانے کی کوشش کی لیکن دوپٹے سے ڈھانپنے کے باوجود اس میں پانی بھر چکا تھا۔ اتنی جلدی آناً فاناً یوں مینہ کا آجانا پہاڑوں کے لئے ایک معمولی سی بات ہے۔ لیکن عذرا خفت محسوس کر رہی تھی۔ جلدی جلدی قدم اٹھاتی وہ اس نشت گاہ کی طرف بڑھ رہی تھی جس پر ٹین کی لہریا چھت پڑی تھی۔

ہم سے پہلے اس میں دو آدمی کھڑے بارش کا نظارہ کر رہے تھے۔ کچھ فاصلے سے تو اندازہ نہ ہو سکا کہ کون صاحب ہیں لیکن جونہی ہم جوتے جھاڑتے چھت کے نیچے پہنچے بھیگے کپڑوں میں ملبوس ایک لڑکی نظر آئی۔ اس کا سڈول بھیگے کپڑوں میں اور بھی متناسب اور صحت مند نظر آ رہا تھا۔ سارے بال بھیگ کر ماتھے سے چپکے ہوئے تھے اور وہ سر جھکائے، بڑی مستعدی سے اپنا دوپٹہ نچوڑ رہی تھی۔ ساتھ کھڑے ہوئے آدمی کا گرے سوٹ بھیگ کر گدھے

کی کھال بنا ہوا تھا۔

ٹین کی چھت سے مسلسل پانی کی چادریں اتر رہی تھیں۔ ہوا فراٹے بھرتی ہوئی سڑک پر سے گزرتی تو، بارش کی چادریں لرزنے لگتیں اور مینہ کی لہریں زمین سے اٹھ اٹھ کر اوپر کی طرف بڑھتیں۔ ہر طرف بادل، ہوا اور بارش کا راج تھا۔ پندرہ بیس فٹ کے فاصلے پر اگے ہوئے درخت صفائی سے نظر نہ آتے تھے۔

بھیگی ہوئی لڑکی عذرا کو دیکھ کر مسکرائی۔ عذرا نے مسکراہٹ کا جواب بڑی خندہ پیشانی سے دیتے ہوئے کہا — "بڑے غضب کی بارش آئی ہے۔"

ادھیڑ عمر کا مرد جو چھڑی سے بوٹ کی مٹی اتار رہا تھا، میری طرف دیکھ کر بولا "بارش کا ہے کو ہے صاحب اچھے خاصے نل چھوٹ پڑے ہیں۔ ایسی بارشیں تو برساتوں میں ہوا کرتی ہیں۔"

میں نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا "جی ہاں۔ یہ کچھ زیادہ ہی ہے۔"

"گھر سے چلے تھے تو احساس تک نہ ہوا تھا کہ بارش ہو گی۔ یونہی سے بادل گھرے ہوئے تھے اب دیکھئے تو احساس ہوتا ہے کہ سمندر کی تہہ میں بیٹھے ہیں۔"

پھر معمر مرد نے اپنی ڈاڑھی میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بات بڑھائی "دس برس ان پہاڑوں پر گزر گئے ہیں لیکن ابھی تک یہاں کا موسم ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔"

رات خاصی جا چکی تھی۔ لیکن مجھے ابھی تک نیند نہ آئی تھی۔ میں بستر پر لیٹا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چھت کی سفیدی جا بجا سے اکھڑی ہوئی تھی۔ عرصہ سے مجھے ایک دھبے میں خاص دلچسپی تھی۔ اگر میں دائیں آنکھ بند کر کے اس کی طرف دیکھتا تو مجھے یہ دھبہ کچھ اس طرح دکھائی پڑتا گویا ایک بھالو ہاتھ پھیلائے ناچ رہا ہے۔ لیکن جب میں بائیں طرف کی آنکھ بند کرتا تو مجھے یوں لگتا جیسے ایک عورت منہ بسورے برش سے دانت صاف کر رہی ہو۔ میرا اس دھبے کو دیکھنے کا

UrduPhoto.com

مشغلہ دیر تک جاری رہتا (اگر خرم بھائی نہ آجاتے) میں ان کی دستک خوب پہچانتا ہوں۔ ہولے ہولے مدھم سی آواز پہلے یوں آتی ہے گویا کوئی چڑیا دروازے سے ٹکرا رہی ہو پھر دوسری مرتبہ یہ آواز اونچی ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اور تک وہ ہاتھ کو کواڑ پر رکھ کر کھڑے رہتے ہیں جیسے سوچ رہے ہوں کہ دستک دوں یا نہ؟

میں نے انہیں کرسی پیش کی اور وہ ہنس کر بولے — "کیوں میاں رکی ٹکی ابھی تک جاگ رہے ہو؟"

"کچھ جاگ ہی رہا ہوں جی۔"

پھر انہوں نے جیب سے ایک خط نکال کر مجھے دیا اور کہنے لگے "تم شام کو سیر کرنے چلے گئے تھے اس لئے یہ خط میں تمہیں نہ دے سکا۔ پھر جب تم واپس آئے تو میں بھول چکا تھا۔"

خط اسماعیل چینی دانی کا تھا۔ ہم اسے چینی دانی اس لئے کہتے تھے کہ گھٹے ہوئے جسم کا چھوٹا سا اسماعیل ہمیشہ میٹھی بات کرتا تھا۔ لیکن جب میں نے خط کھولا تو سرے سے بکواس بھری تھی۔ میں نے اس سے شہد کی مکھیوں کے متعلق بہت سے سوالات پوچھے تھے اور اس نے مجھے میکلوڈ روڈ کی ساری فلموں پر سہ حرفی تبصرہ لکھ بھیجا تھا۔ میں خط پڑھنے میں مشغول تھا اور بھلا رہا تھا۔ اگر چینی دانی سامنے ہوتا تو یقیناً میرے ہاتھوں قتل ہو جاتا۔

بالآخر جب میں نے خط کو میز پر پھینک کر نظریں اٹھائیں تو خرم بھائی کھڑکی کے سامنے کھڑے گنگنا رہے تھے۔ میں خاموش ہو گیا۔ خرم بھائی کی آواز بڑی بھاری اور خوبصورت تھی۔ جب کبھی وہ مجھے گنگناتے نظر آجاتے ہیں دم سادھ کر سننے لگتا۔ کیسی گمبھیر آواز تھی۔ میں دیر تک انہیں غالب کے شعر گنگناتے سنتا رہا

اور جب انہوں نے — بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد — کہا تو میں بولے بغیر نہ رہ سکا۔

"خرم بھیا" ——— جب وہ پلٹے تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ان کی آنکھوں میں آنسو ہوں۔

"یہ شاعر لوگ بھی کتنے دیوانے ہوتے ہیں جو اپنے بعد اہل جفا کو آرام و سکون کے طعنے دیا کرتے ہیں حالانکہ ....."

انہوں نے میری بات بیچ ہی میں کاٹ دی اور آہ بھر کر بولے "تم کیا جانو رکی ٹکی یہ سب دل کے معاملات ہیں، دل کے! تم آرام سے اپنے جانوروں کے گیسو سنوارا کرو۔"

"جانور!" میں نے نعرہ مار کر کہا "وہ آپ کے شاعروں سے بلند تر ہوتے ہیں۔ بلند تر عاشق اور بلند تر جانثار! آپ ان کی تیرہ بختی کے قصے سنیں تو کوہکن و قیس کو بھول جائیں —— یہ مکھیوں کا چھتہ دیکھا ہے آپ نے؟"

"تو کیا یہاں بھی کوئی مجنوں محمل لیلیٰ کے پیچھے بھاگا کرتا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"ہمارے ہاں تو ایک لیلیٰ کے پیچھے ایک ہی مجنوں بھاگا کرتا ہے، اگر کوئی دوسرا بھی قسمت آزمائی کے درپے ہو تو رقیب روسیاہ کہلاتا ہے۔ مکھیوں میں لاکھوں مجنوں ایک ملکہ کے پیچھے بھاگتے ہیں، ہر ایک سر دھڑ کی بازی لگاتا ہے۔ ہر ایک تن من دھن لٹانے پر رضامند ہوتا ہے۔ یہاں کوئی بوالہوس نہیں یہاں ایک بھی عاشق ایسا نہیں جس نے محض تفریح طبع کے لئے محبت کا ڈھونگ رچا رکھا ہو۔ ان کے ہاں رومان کا رواج نہیں ہے۔ کیونکہ بھائی جان ان سب کی قسمت میں تیرہ بختی لکھی ہے۔ جو ناکامیاب ہوئے وہ بھی بدنصیب اور جو شراب وصال سے سرشار ہوئے وہ بھی تیرہ بخت و سوختہ جان۔"

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"تم تو شاعری پر اتر آئے ہو کچھ سیدھی سادی بات کرتے تو میں بھی سمجھتا۔"
بھائی خرم نے کہا۔ میں نے چھت پر ناچتے ہوئے بھالو کو ایک نظر دیکھا اور کہا
"میں نے سمجھا آپ شاعر طبع ہیں میری بات خوب جان جائیں گے۔ لیکن اب
میں سمجھا ہوں کہ مکھیوں کی داستان اتنی بلند و بالا ہے، اتنی حیرت انگیز ہے کہ
شاعرانہ تخیل اس کی بلندیوں کو نہیں پہنچ سکتا۔"

"رکی تکی" بھائی جان کرسی میں دھنستے ہوئے بولے ——— "سیدھی بات
کر سیدھی، اور ناک کی سیدھ چلنا سمجھا۔ اس دن کی طرح بور نہ کرنا ———"

میں نے بھی کمر کس لی اور بولا "جہاں آپ بور ہو جائیں وہیں روک لیجئے
گا ———"

"اچھا منظور ——— اب جناب یہ بتائیے کہ نر مگس ایک ہی محبوبہ کو کیوں چنتے
ہیں ہر ایک نر ایک محبوبہ کیوں نہیں چن لیتا؟ ایک ملکہ کے پیچھے جان لڑانے سے
حاصل؟"

میں نے کسی بڑے پروفیسر کی طرح کہا ——— "مکھیوں کی بستی کنواریوں کی
بستی ہے بھائی جان" بھائی جان کو متوجہ پا کر میں نے پورے جوش سے بتانا
شروع کیا۔

"ایک چھتے میں جہاں ہزاروں کنواری کارکن مکھیاں ہوتی ہیں۔ وہاں ایک ملکہ
ہوتی ہے صرف ایک مطلق العنان رانی۔ جسے محبت کرنے کا حق ہے اسے اپنی
رعایا پر حکومت کرنے کا فن آتا ہے۔ اور جسے بچے جننے کا فخر حاصل ہے۔ باقی
تمام مکھیاں اسی کے بچوں کی دایہ گیری میں اپنی عمر گنواتی ہیں۔ ان کے پہلو میں محبت
کی آگ کبھی نہیں سلگتی انہیں اپنا گھر بسانے کی کبھی نہیں سوجھتی۔ ملکہ کے بچے
ان کے بچے ہیں ——— ملکہ کی خوشنودی ان کی زندگی ہے اور تو اور اپنی ملکہ کے

تمام عاشقوں کی وہ اسی طرح پرورش کرتی ہیں۔ جیسے اس کے بچوں کی"
بھائی خرم نے قطع کلام کرتے ہوئے پوچھا ——— "اور ملکہ کو اتنے عاشق
کیوں چاہئیں۔ جہاں اتنی کارکن مکھیاں کنواری رہتی ہیں وہاں نر بھی مجرد رہتے تو
کیا مضائقہ تھا۔ ہمیں تو اس میں کوئی مصلحت نظر نہیں آتی؟"

"آپ ہی نے تو ایک دن کہا تھا بھائی جان کی فطرت کا مقصد صرف
افزائش نسل ہے۔ وہ سارے جھنجھٹ اسی لئے کرتی ہے سارے بکھیڑے اس
نے اسی لئے کھڑے کر رکھے ہیں اگر ملکہ کا صرف ایک عاشق ہوتا اور وہ اس کے
تعاقب میں شادی سے پہلے مر جاتا تو کتنی آبادی لاوارث ہو جاتی، ہزاروں کنواری
کارکن مکھیاں مر جاتیں۔ ان کی گود میں جھاڑو پھیر جاتی اور سارے چھتے کی زندگی
ختم ہو جاتی۔

ایک چھتے میں اسی لئے تین چار سو نر مگس ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی بظاہر
بے مصرف ہوتی ہے اور ان کو سارا دن کھانے، سونے اور شور مچانے کے
سوائے اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ لیکن وہ بڑے کام کی چیزیں ہیں۔ کارکن مکھی کی
نسبت نر مگس کا جسم بہت ہی خوبصورت اور چمکدار ہوتا ہے لیکن نر مگس کبھی اپنی
خوراک کی تلاش میں نہیں نکلتا۔ یہ پیٹو سارا دن شہد کے کٹورے پیتا ہے۔ پھر بھی
اس کی بھوک کبھی کم نہیں ہوتی۔ راہیں روک کر خواہ مخواہ کھڑا رہتا ہے اور اس قدر
گند اور غلاظت پھیلاتا ہے کہ خاکروب مکھیاں اس کے وجود سے تنگ آ جاتی ہیں۔
کاہل اور تساہل پسند نکھٹو سارا سارا دن اکٹھے بیٹھے گپ بازی میں گزارتے ہیں اور
مستقبل کے متعلق پتہ نہیں کیا کیا منصوبے باندھتے ہیں لیکن انہیں علم نہیں ہوتا
کہ زندگی انہیں کس مصرف میں لائے گی؟ کارکن مکھیاں انہیں کس آس پر پال رہی
ہیں؟ اور بالآخر ان کا انجام کیا ہوگا؟"

UrduPhoto.com

بھائی خرم میرے بیان میں بڑی دلچسپی لے رہے تھے۔ وہ مسرت سے بولے،

"اچھا تو چھتے کی ملکہ بھی مکڑی کی طرح بے رحم ہوگی وہ بھی اپنے عاشق کو نوالہ بنا لیتی ہوگی؟"

"نوالہ بنا لینے میں مکڑی کو وہ لذت نہ ملتی ہوگی جو ملکہ کو اپنے عاشق کو خاک و خون میں تڑپا کر ملتی ہے۔ اس کے عاشق کی موت پر چھتے میں خوشی کے شادیانے بجتے ہیں۔ خوشیاں ہوتی ہیں۔ میرے نزدیک تو ملکہ کا عاشق سچا شہید ہوتا ہے۔"

"بات ابھی تک کھلی نہیں رکی تھی، تم کچھ شاعری پر اتر آئے ہو۔"

میں نے مزید شاعری برتتے ہوئے کہا، "چھتے میں کنواری ملکہ کے ساتھ ساتھ کئی سو نرمگس بھی رہتے ہیں۔ ملکہ ان سے پردہ نہیں کرتی یہ ملکہ کے سامنے آتے جاتے ہیں۔ لیکن سوزِ عشق کی آگ ان کے دل میں نہیں سلگتی۔ ان کی محبت بلندیوں کی محبت ہے۔ نیلے آکاش پر ان کا بندھن ہوتا ہے اور وہیں ملکہ کی مانگ لمحہ بھر کو سیندور سے بھرتی ہے اور پھر بیوگی کا ٹیکہ ماتھے پر لگ جاتا ہے۔ جس قدر ایک چھتہ بربادی کی طرف مائل ہوگا۔ اسی قدر اس میں نکھٹو نرمگسوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ بعض اوقات تو یہ تعداد پانچ چھ ہزار تک پہنچ جاتی ہے لیکن ان تمام عاشقوں کا حشر ایک سا ہوتا ہے۔ نکھٹو نرمگس اپنی تمام طاقتیں اس سفر کے لئے جمع کرتا ہے جس میں کامیابی بالکل غیر یقینی ہوتی ہے۔"

خرم بھائی نے جلدی سے پوچھا "جب ملکہ اور نرمگس ایک ہی چھتے میں رہتے ہیں تو وہیں ان کی شادی کیوں نہیں ہو جاتی؟"

"شہد کی مکھی آرٹسٹ ہے بھائی جان! ــــ اسے پھولوں سے درختوں سے اور آکاش کی نیلاہٹ سے عشق ہے وہ بھلا موم کے اندھیرے شہر میں کیونکر شادی رچا سکتی ہے؟

"بہار کے ایک چمکیلے دن نئی نویلی دلہن دہلیز سے باہر قدم دھرتی ہے۔ یہ اس کا پہلا اور غالباً آخری سفر ہوتا ہے۔ ایسی اونچی اڑانیں پھر اس کے مقدر میں نہیں۔ چھتے کے سنتری راہ چھوڑ کر مؤدب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوپہر کی چمکتی دھوپ میں وہ فضا میں پر تولتی ہے۔ ٹھٹھکتی ہے اور پھر اڑنے لگتی ہے۔ ملکہ کی اڑان ہر لمحہ تیز سے تیز تر ہوتی جاتی ہے۔ وہ کہانیوں کی شہزادی سے کہیں زیادہ صبر آزما ظالم اور کھلاڑی ہے۔ اسے اس عاشق کی تلاش ہوتی ہے جو اس کی اڑان کو پہنچے۔

"تساہل پسند، نکھٹو عاشق جنہیں آج تک پیٹ کا دوزخ ہی بھرنا آتا تھا۔ ملکہ کو نکلتے دیکھ کر اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ صرف ایک ہی چھتے کے مرد اس رانی کو اپنانے کے لئے نہیں نکلتے، بلکہ ارد گرد کے چھتوں میں بسنے والے عاشق بھی خبر پاتے ہی چل نکلتے ہیں ــــ"

"اور یہ خبر انہیں کون پہنچاتا ہے؟" بھائی خرم نے پوچھا۔

"وہی قوت جو ان کے دل میں یک لخت محبت کی آگ روشن کرتی ہے افزائش نسل کی پکار، اپنی بقا کی جد و جہد، مر مٹنے کی شدید تمنا ــــ انہیں کوئی کنواری ملکہ کا پتہ نہیں دیتا پھر بھی قریبی چھتوں کے تمام بانکے سینہ سپر ہو کر چل نکلتے ہیں۔ بعض اوقات تو ایک ملکہ کے تعاقب میں دس ہزار نرمگسوں کی فوج کفن سر پر باندھ کر نکلتی ہے۔"

"اور ــــ اور کامیابی صرف ایک کے مقدر میں لکھی ہے؟" خوفزدہ ہو کر خرم بھائی نے پوچھا۔

"اور وہ کامیابی بھی بس لمحہ بھر کی ہوتی ہے۔ جوں جوں ملکہ بلندیاں طے کرتی جاتی ہے پرواز کناں عاشقوں کا دم پھولتا جاتا ہے کمزور، بیمار، بوڑھے نرمگس گرتے جاتے ہیں۔ جواں سال باہمت اور صحت مند ملکہ کے پیچھے پیچھے ہوا کے دوش پر اونچے اڑتے جاتے ہیں۔ وہی نر جو کل تک نکھٹو اور بے مصرف تھے ملکہ سے بیاہ رچانے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

کی امنگ دل میں لئے کیسی کیسی کوشش کرتے ہیں۔ شاید اس لئے فطرت نے ان کو کارکن مکھیوں سے زیادہ بڑے بنائے ہیں۔ اور فطرت نے جہاں کارکن مکھی کو ۱۲ ہزار آنکھیں عطا کی ہیں انہیں آنکھ کے تیئس ہزار محدب شیشوں سے نوازا ہے۔ تاکہ ملکہ کے تعاقب میں وہ کہیں راہ نہ بھول جائیں۔

"ملکہ بڑھتی ہے عاشق پیچھے اڑتے ہیں۔ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی ہر طرح کوشش کی جاتی ہے۔ عام طور پر ایک ملکہ کے پیچھے ایک ہزار کا گروہ ہوتا ہے اور جب ملکہ آسمان کی نیلی گہرائیوں میں جا نکلتی ہے تو صرف دس پندرہ جانباز اس کے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ باقی تمام راہ کی صعوبتوں کی نذر ہو جاتے ہیں۔ کچھ جی ہارے نکھرے جوان گھر کی راہ لیتے ہیں لیکن ڈربی کی ریس سمجھ کر دوڑنے والے دس پندرہ جانباز ملکہ سے چند قدم پیچھے پھڑاتے، گھبراتے بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں۔

لیکن نئی دلہن کی تسلی نہیں ہوتی۔ اسے صرف ایک شوہر کی تلاش ہوتی ہے جو سب سے خوبصورت سب سے زیادہ تندرست اور سارے گروہ سے زیادہ اسے چاہنے والا ہو۔ اس کی اڑانیں ختم نہیں ہوتیں۔ بڑی تیزی سے وہ فضا کے ان حصوں میں جا نکلتی ہے۔ جہاں پرندوں کا گذر کبھی نہیں ہوتا جہاں ہوائی جہازوں تک کی پہنچ نہیں ہو سکتی۔

"پھر ان دس پندرہ کی ٹکڑی گھٹ کر دو تین پر مشتمل رہ جاتی ہے اور ان تھکے ہارے عاشقوں میں سے کوئی ایک پھر ایک آخری بار زور لگا کر ملکہ کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔"

بالآخر — خرم بھائی بولے

"بالآخر یہ جانباز اپنی محبوبہ سے جا ملتا ہے۔ لیکن مادرِ فطرت کو کسی کی جان عزیز نہیں ہے بھائی جان! وہ سب کچھ افزائش نسل کے لئے کرتی ہے۔ نرگس ایک لمحے کی

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

راحت میں اپنی جان کھو بیٹھتا ہے۔ جونہی اس کے بازو ملکہ کے گرد حمائل ہوتے ہیں اور وہ لذتِ وصل سے ہمکنار ہوتا ہے اس کے پیٹ کی جھلی پھٹ جاتی ہے نرگس اپنی روح، زندگی کی ساری تمنائیں اور اپنی جان ہی ملکہ کی نذر نہیں کرتا ملکہ اپنے نچلے دھڑ کے لیتھڑوں سے لتھڑی ہوئی گھر لوٹتی ہے۔"

"مادہ ازل سے ظالم ہے۔" انہوں نے زیرِ لب کہا۔

"کئی ایک لوگوں کا خیال ہے کہ ملکہ اپنی اس فتح پر بہت نازاں ہوتی ہے لیکن میرا خیال ہے اس کا دل اس تجربے سے بجھ کر رہ جاتا ہے۔ وہ نہایت آہستگی سے گھر کی راہ لیتی ہے۔ اس کے قدموں میں پائل کی جھنکار نہیں ہوتی۔ اس کا سر ندامت سے جھکا ہوتا ہے اور چھتے میں داخل ہونے سے پہلے وہ دہلیز پر کھڑی رہتی ہے۔ جیسے اس کے جی میں موت کی تمنا اور آئندہ نسلوں کی ذمہ داری پر سرِ پیکار ہوں۔ پھر کارکن مکھیاں دلہن کو اپنی ٹانگوں سے دولہا کی لاش کے لوتھڑے اتارتے دیکھتی ہیں سارے چھتے میں دھوم پڑ جاتی ہے کہ بیاہ ہو گیا شادی ہو گئی۔ شادیانے بجاؤ ترانے گاؤ۔

"ملکہ اپنے نوشہ کی لاش کے ٹکڑے خاکروب مکھیوں کے حوالے کر کے اپنے ایوان میں داخل ہو جاتی ہے اور پھر کبھی بیاہ رچانے کی نہیں سوچتی۔ ایک شادی ایسی جانکاہ ثابت ہوتی ہے کہ اسے زندگی بھر حوصلہ نہیں پڑتا کہ نیلے آکاش کی پنہائیوں کا پھر رُخ کرے۔"

"اور باقی نرگس جو ملکہ کو نہیں پا سکتے ان کا کیا بنتا ہے؟" خرم بھائی نے پوچھا۔

"بیشتر اس اڑان میں جان گنوا بیٹھتے ہیں۔ لیکن جو گھر پلٹتے ہیں۔ ان کا سواگت بالکل اسی طرح ہوتا ہے جیسے پیٹھ دکھانے والے سپاہی کا۔" میں نے کھلی کھڑکی میں سے اخروٹ کا درخت دیکھتے ہوئے کہا۔ "ملکہ کے بارور ہوتے ہی کارکن مکھیاں بے حد طوطا چشم ہو جاتی ہیں۔ ابھی صبح ان عاشقوں کے لئے چھتے کی ہر نعمت کھلی تھی اور

اب جان بچا کر لوٹ آنے والوں پر گھر کے تمام دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ اگر موت انہیں راہ میں نہیں ملتی تو گھر کے پاسبانوں کے ہاتھ انہیں زندگی گنوانا پڑتی ہے۔ کیونکہ نئی پود کے لئے خود ملکہ کے لئے یہ نرگس اب بالکل بیکار چیز ہیں۔ چھتہ سب کچھ برداشت کر لیتا ہے۔ لیکن یہاں کا فقط ایک آئین ہے۔ سب کچھ مستقبل کے لئے ہو۔ ہر مکھی گروہ کے لئے جیئے اور جب ان عاشقوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ تو کارکن مکھیاں مل کر انہیں ختم کر ڈالتی ہیں۔ اس طرح وہی ہاتھ جنہوں نے انہیں پروان چڑھایا ہوتا ہے ان کی موت کا سامان بنتے ہیں۔"

خرم بھائی نے جلدی سے پوچھا: "کیا تمام نرگس ایک ہی دن میں اپنے انجام کو پہنچ جاتے ہیں یا کارکن مکھیاں انہیں ہولے ہولے ختم کرتی ہیں؟"

میں نے مسکرا کر کہا: "یہ آپ نے اچھا سوال کیا بھائی جان۔ پہلے پہل میں بھی یہی سوچا کرتا تھا کہ سارے نرگس ایک ہی دن اپنی عاقبت کو پہنچ جاتے ہوں گے۔ لیکن اب میں نے اس معاملے کو سلجھانے کے لئے خاصا مطالعہ کیا ہے اور یہ جانا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اگر چھتے میں شہد کا ذخیرہ کم ہو تو نرگس جلد ہی قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ لیکن اگر سردیوں کی آمد کے لئے کارکن مکھیوں نے خاصا شہد جمع کر رکھا ہو تو پھر وہ ان نامراد شہزادوں کو چند دن اور چھتے کی عافیت میں بسر کر لینے دیتی ہیں۔ یہ بانکے پھر محبت کے خوابوں کو آنکھوں میں لئے پیٹ کا دوزخ بھرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ان کی چمکتی پیلی وردیاں، سر پر کالے موتیوں کا تاج اور خوبصورت چغے سارے میں پھیل جاتے ہیں۔ کارکن مکھیاں انہیں کنکھیوں سے دیکھ کر آپس میں چہ میگوئیاں کرتی ہیں اور طنز سے ہنس کر اپنی راہ لیتی ہیں۔

یہ جوان چھتے کی معذوروں کی طرح جگہ جگہ پڑ کر سوتے ہیں۔ جب آنکھ کھلتی ہے تو تازہ نفیس ترین شہد میں سر ڈبو کر اپنے پیٹ کی آگ بجھا لیتے ہیں۔ بہار کی گرم دوپہر میں

وہ گھر سے باہر کاٹتے ہیں ادھر سورج کی نیند بھری کرنیں سیدھی پڑنے لگتی ہیں ادھر نرگسوں کا گروہ گھر چھوڑ کر قریبی پھولوں کا رُخ کرتا ہے۔ پھولوں کے رنگین اور ریشمی بستروں میں چھپ کر یہ ساری دوپہر سوئے رہتے ہیں جیسے اپنی ناکامیابی کا سوگ مناتے مناتے میر کی طرح لمحہ بھر کو ان کی آنکھ لگ گئی ہو۔ پھر شام ہونے سے پہلے انہیں گھر کی یاد ستاتی ہے اور یہ شہد سے لدے پھندے ذخیروں کا رُخ کرتے ہیں۔ لیکن کارکن مکھی صرف مفید چیزوں کو پسند کرتی ہے اور ایسے جوانوں کو پالنا ان کے لئے ناممکن بن جاتا ہے اور ایک خزاں دیدہ صبح کو سارے میں نادر شاہی حکم ملتا ہے کہ نکھٹو مردوں سے چھتہ پاک کر دو۔ ناشاد عاشق ابھی سوئے ہوتے ہیں۔ ان کی شہد آگیں نیندیں ابھی ٹوٹنے نہیں پاتیں کہ کارکن مکھیاں اپنے زہر آلود ڈنک نکال کر ان پر حملہ آور ہو جاتی ہیں۔ وہی چھتہ جس میں ابھی کچھ دیر پہلے شہد کی فرحت بخش خوشبو پھیلی تھی۔ اب زہر کی تیز باس سے لبریز ہو جاتا ہے۔ بیچارے ناکامیاب عاشق گھبرا کر کبھی ادھر بھاگتے ہیں کبھی ادھر۔ ان کی خوبصورت چمکدار وردیاں پھٹ جاتی ہیں، موتیوں کے تاج بکھر جاتے ہیں اور ان کا حشر کچھ اس عاشق سے بھی زیادہ عبرتناک ہوتا ہے۔ جسے ملکہ سے ہم آغوشی کا فخر حاصل ہوا تھا۔

"نرگس کارکن مکھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بیشتر نرگس اسی وقت مر جاتے ہیں۔ کچھ جی دار سیانے حالات کو بھانپ کر اڑ جاتے ہیں۔ لیکن فرار کی راہ انہیں راس نہیں آتی۔ بھوک کی شدت انہیں شام کو واپس لاتی ہے اور ایک بار پھر انہیں موت کے منہ میں دھکیل دیتی ہے۔"

خرم بھائی نے ٹھنڈی سانس بھری اور اُٹھتے ہوئے بولے: "مادرِ فطرت نے مرد سے ہمیشہ بے انصافی کی ہے وہ اسے آلۂ کار بنا کر اپنا مطلب پورا کرتی ہے اور پھر کیلے کے چھلکے کی طرح پھینک دیتی ہے اور انسان کتنے دھوکے میں رہتا ہے۔"

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

کہیں راکٹ بن رہے ہیں کہیں ایٹم بم —— کہیں ۔ ۔ ۔ ۔ کہیں ۔ ۔ ۔ ۔ مجھ سے پوچھو
رکی تھی افزائش نسل کے علاوہ قدرت کا اور کوئی تقاضا نہیں کوئی اور آئین نہیں، جو
اس آئین کے خلاف چلتا ہے اس پر بجلی گرتی ہے اس کا گھر تباہ ہو جاتا ہے۔“

خرم بھائی پر فلسفے کا دورہ پڑ چکا تھا۔ میں خاموش ہو گیا۔ مکھیاں جیسے پھر سے
اُڑ کر اپنے چھتے میں چلی گئیں۔ چھت پر بیٹھی ہوئی عورت نے ایک بار پھر برش نکال
لیا اور دانت صاف کرنے لگی۔ پھر خرم بھائی اُٹھے اور اپنے کمرے کی طرف جانے
لگے۔ عین دروازے کے قریب انہوں نے رک کر مجھ سے پوچھا۔

”تم ان ٹھیکیدار صاحب کو کب سے جانتے ہو؟——“

”یہ آج شام ہی بارش کی وجہ سے ملاقات ہوئی تھی۔“ میں نے کہا۔

”اچھا۔ میں نے تمہیں آج شام ان سے باتیں کرتے دیکھا تو سمجھا تمہاری واقفیت
پرانی ہے۔“

”آپ نے ہمیں کہاں دیکھا تھا؟“

”تمہیں خط دینے میں یوں ہی سیر کرنے چلا گیا تھا۔ لیکن تم کھڑے ٹھیکیدار صاحب
سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے بلانا مناسب نہیں سمجھا۔“

یہ کہہ کر وہ جلدی سے چل دیئے۔ لیکن اتنی جلدی وہ جا نہ سکے۔ کیونکہ دیر
تک مجھے یہ آواز سنائی دیتی رہی۔ ”شعلۂ عشق سیاہ پوش ہوا میرے بعد“ میں نے
سوچنا بند کر دیا اور ڈوبتی آواز کو بڑے انہماک سے سننے لگا۔

۵

ٹھیکیدار صاحب سے میری ملاقات دو روزہ تھی۔ لیکن شیریں اس قدر خوبصورت
اور پُرکشش تھی کہ جی چاہتا یہ ملاقاتیں روز روز ہوں۔ اسے دیکھ کر مجھے ہمیشہ
کوہکن کی شیریں کا تصور بندھ جاتا۔ دراز قد، صحت مند، سُرخ و سپید شیریں۔

UrduPhoto.com

میں ذاتی طور پر کسی مصری خاتون سے متعارف نہیں ہوں۔ لیکن وہ مجھے کسی
فرعون کی منہ چڑھی ملکہ نظر آتی تھی۔ بھرے بھرے کولہے اور سینہ، تنگ کمر جسے
تنگ تر کرنے کے لئے وہ بے حد چست قمیصیں پہنتی تھی اور لمبی سفید گردن۔ وہ کبھی
پھولوں کی ڈالیاں بازو پر دھر کر میرے سامنے نہ آتی تھی۔ لیکن اسے دیکھ کر مجھے
کئی بار ورڈزورتھ کی وہ نظم یاد آ جاتی جہاں دہقانی لڑکی بازو پر پوست کے پھول
اور گندم کے خوشے رکھے پہاڑی سے اترتی ہے۔ میں بھی ورڈزورتھ کی طرح سوچنے
لگتا اور تمنا کرتا کہ کاش اس شیریں سے میرا کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہوتا اور کچھ نہیں تو
میں اس کا بھائی ہی ہوتا، چچا ہوتا، دور دراز کا رشتہ کا بھائی! اور اگر اور کچھ ممکن نہ
تھا تو کاش میں اس کا پڑوسی ہی ہوتا، اور اسے صبح و شام دیکھ سکتا۔

جب سے عذرا اور شیریں کی ملاقات ہو چکی تھی۔ وہ دونوں خوب گھل مل گئی
تھیں ان دونوں کو اکٹھا دیکھ کر مجھے عذرا پر ترس آنے لگتا وہ واقعی شیریں کی کنیز
لگتی تھی۔ کچھ اس میں عذرا کی شکل و صورت کا ہی قصور نہ تھا۔ بلکہ اس کا رویہ ہی ایسا
خادمانہ تھا کہ میں اس طرح سوچنے پر مجبور ہو جاتا۔

مری پر بہار چھائی تھی۔ سبز کونپلوں کے سروں پر سفید اور گلابی شگوفے پھوٹ
پڑے تھے پتھروں پر کائی اور خود رو گھاس نے دھاوا بول دیا تھا اور فضا میں چڑیاں اور
پرندے گنگناتے رہتے تھے۔ شاید اس رت نے مجھے رومان پرور بنا دیا تھا اور
میں جانوروں کے علاوہ لوگوں میں بھی دلچسپی لینے لگا تھا اور شاید اسی رت نے خرم بھائی
کو دن میں تین تین سوٹ بدلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اب وہ غسلخانے میں پہروں گاتے
رہتے۔ ان کی حجامت کے اوقات بھی بدل چکے تھے اور ان پر اب قنوطیت کے
دورے بھی کم پڑتے اور تو اور انہوں نے میر اور غالب کے دیوان بھی بند کر دیئے
تھے۔ کچھ دیر تک تو میں اس تبدیلی کا ذمہ دار رت کو ہی سمجھتا رہا۔ لیکن —— پھر

مجھے ایک اور وجہ بھی معلوم ہو گئی اور میں جی ہی جی میں اپنی قیافہ شناسی پر شرمندہ ہو گیا۔

وہ نہایت ستھری اور دھلی ہوئی صبح تھی۔ نیلگوں آسمان کی پنہائیاں شفاف اور پُرسکون تھیں۔ پورب کی گھاٹی میں سے ممیاتی بکریوں کی صدا ہوا کے شانوں پر لدی ہمارے گھر تک پہنچ رہی تھی۔ فضا میں خنکی اور حدت کا احساس ساتھ ساتھ لہرا رہا تھا۔ میرے اخروٹ کے درخت پر بڑی رونقیں تھیں۔ مکھیاں بہار کا نغمہ الاپتی وادی کے طواف کو آ جا رہی تھیں۔ میری کھڑکی میں لہراتی ہوئی بیل میں گلابی کلیاں سر نکال رہی تھیں۔ میں اس رُت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور گھاٹی کی طرف اتر گیا۔

ترائی کی گھاس نم آلود تھی۔ دور کسی نل کے گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ میں گھاس اور جھاڑیوں میں اپنی راہ بناتا ہوا چل رہا تھا کہ کائی جمے ایک بڑے درخت کی اوٹ میں مجھے ایک نیلا دوپٹہ گرا ہوا نظر پڑا۔

میری رفتار کم ہو گئی اور میں پنجوں کے بل چلنے لگا۔ میں ابھی چند قدم بڑھا تھا کہ راہ ختم ہو گئی اور میں نیچے گہرائی میں دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔ بڑے پیالہ نما پتھر پر شیریں نیم دراز تھی۔ اس کے کندھوں پر دوپٹہ نہ تھا اور نیلے دائروں والی چست قمیص میں اس کا جسم بڑا نمایاں لگ رہا تھا۔ پتھر کے ساتھ ٹیک لگا کر خرم بھائی کھڑے تھے۔ ان کی ساری دجاہت اس ملکہ کے حضور ختم ہو چکی تھی۔

میں نے آنکھیں بند کر لینا چاہیں لیکن مجھ سے یوں نہ ہو سکا۔ میں نے سننا نہ چاہا، لیکن میرے کانوں میں خرم بھائی کی آواز آئی — "میں تو تمہارے تعاقب میں ساری دنیا کا چکر کاٹ سکتا ہوں، لیکن میں جانتا ہوں اس تعاقب میں مجھے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔"

"تو پھر آپ تعاقب کو نکلے ہی کیوں ہیں؟"

"اس لئے کہ یہ آئینِ فطرت ہے۔ یہ تمنا میرے لہو میں حدت کے ساتھ ساتھ گھومتی پھرتی ہے اور میں اس کے خلاف کچھ سوچ بھی نہیں سکتا۔"

شیریں نے نہایت دلربائی سے پوچھا — "اور میرا دوپٹہ کہاں چھوڑ آئے ہیں آپ —"

خرم بھائی نے مسرور ہو کر کہا — "اگر تم مجھ سے یوں نہ بھاگتیں تو شاید اس وقت وہ تمہارے ساتھ ہوتا۔ لیکن سنو شیریں مذاق میں میری بات نہ اڑاؤ۔ بخدا میں نہایت پریشانی میں مبتلا ہوں۔ میں شاہنواز اور مجید کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ان کے پاس دولت، پوزیشن، عزت ناموری سبھی کچھ موجود ہے۔"

"دولت کی آپ کے ہاں کونسی کمی ہے؟" مصر کی ملکہ بولی۔

"لیکن تمہارے والد کو صرف دوات کی ہی تو تلاش نہیں ہے۔"

شیریں اب کہنی کے بل ہو گئی اس کی شلوار اوپر کھسک گئی اور سفید ٹخنے نظر آنے لگے۔ اب اس کی سانس خرم بھائی کے ماتھے کو چھو رہی تھی اور اس کے لب کہہ رہے تھے — "تو پھر آپ کوشش کیوں نہیں کرتے؟ آپ چاہیں تو بڑی سے بڑی پوزیشن آپ کی ہو سکتی ہے اور کچھ نہیں تو کمیشن ہی لے لیجئے۔ میرے ابا کی جھٹ تسلی ہو جائے گی۔ آخر بغیر کام کے آپ کی زندگی مکمل بھی کیسے ہو سکتی ہے؟ آپ کا دن کیونکر گزرتا ہے؟"

خرم بھائی ہنسے اور بولے — "دن گزارنے کو تمہاری یاد کیا کم ہے؟"

شیریں کھنکتے سکوں کی طرح ہنسی اور بولی — "اب یہ شاعری چھوڑیئے اور بتایئے آپ کوئی کام کیوں نہیں اٹھا لیتے۔ میں تو نہیں چاہتی کہ آپ نوکری کریں، لیکن ابا جی کب مانیں گے بھلا؟"

UrduPhoto.com

خرم بھائی دل برداشتہ ہو کر دو قدم پیچھے ہٹ گئے اور سیب کا ایک شگوفہ توڑتے ہوئے کہنے لگے "شیریں میری جان اگر یہ تمہاری تمنا ہوتی تو بخدا میں کو ہکن بن جاتا۔ لیکن ٹھیکیدار صاحب کی ذہنی عیاشی کے لئے میں مری چھوڑ کر نہیں جا سکتا انہیں خوش کرنے کے لئے میں کوئی نوکری نہیں اٹھا سکتا شیریں...... میں یہاں سے گیا تو میرا دم گھٹ کر رہ جائے گا۔ میں اس ہوا میں سانس تک نہیں لے سکتا جس میں تمہاری بوباس شامل نہ ہو۔"

شیریں اٹھ بیٹھی اور کہنے لگی "آپ تو بڑی ہی UNPRACTICAL باتیں کرتے ہیں خرم! مجھے بس یہی ایک دن ملا تھا۔ بقول آپ کے ٹھیکیدار صاحب مجھے لمحہ بھر کو بھی نگاہوں سے اوجھل نہیں کرتے۔ مجھ پر ہر وقت گارد بٹھائے رکھتے ہیں۔ آپ بھی کوئی راہ سوچیں میں بھی سوچوں گی لیکن خدارا ایسے شاعرانہ طریق پر نہ سوچئے گا کہ ہم دونوں میں اس شاعری کا ہی واسطہ رہ جائے اور بس۔"

خرم بھائی دل برداشتہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے اور جیسے اپنے آپ سے بولے۔ "میں جانتا ہوں، تم نہایت PRctical انداز میں سوچتی ہو۔ اس لئے نہیں کہ تم شیریں ہو اور ذہین لڑکیوں میں تمہارا شمار ہوتا ہے۔ بلکہ محض اس لئے کہ مادہ ہمیشہ ناک کی سیدھ دیکھتی ہے...... اس لئے کہ افزائش نسل......"

شیریں چھلانگ لگا کر پتھر سے اتر آئی۔ اس کے بالوں میں اٹکے ہوئے سیب کے شگوفے سلیٹی مائل پتھر پر پڑے رہ گئے اور وہ چونک کر بولی "کیسی باتیں کرتے ہیں آپ، میرے تو کچھ پلے نہیں پڑتا۔"

خرم بھائی اور بھی فلسفیانہ انداز میں بولے "ابھی کچھ روز پہلے خود میری سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا اگر کوئی مجھے شہد کی ملکہ مکھی اور نرگس کے متعلق کچھ نہ بتاتا تو میں اپنی منزل کو کیونکر پہچانتا۔"

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

شیریں پگڈنڈی کی طرف بڑھنے لگی۔ بغیر دوپٹے کے وہ اور بھی دراز قد صحت مند اور خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ پھر وہ مڑ کر بولی "آپ کے رکی ٹکی کے دماغ میں تو چڑیا گھر بسا ہے۔ شاید وہی آپ کو اس طرح سوچنا سکھاتا ہے۔"

چند لمحے بعد انہیں میرے قریب سے گزرنا تھا۔ اس لئے میں دسرونت کی ایک گھنی جھاڑی کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ پھر میرے قریب سے مصر کی ملکہ گزری۔ اگر میں چاہتا تو اسے چھو سکتا تھا۔ پھر اس قلوپطرہ کو چاہنے والا نادان عاشق گزرا اس کی پینٹ کی کریز، کریپ سول کے جوتے مجھے نظر آئے میں نے اوپر نظر اٹھائی۔ شگوفوں سے لدے ہوئے سیب کے درخت کی ڈالیاں ہلیں پھر چوڑیاں کھنکیں ایک آبشار ایسا قہقہہ بلند ہوا اور پھر مطلع صاف ہو گیا۔

میں گہرے نیلے آسمان پر نظریں جمائے دور دور دیکھتا، گھاٹی کی طرف اتر گیا۔

اس دن شیریں صبح دس بجے کے قریب میرے کمرے میں آئی اور بڑی میز کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔ جس دن سے میں اسے اور خرم بھائی کو اکٹھے دیکھ چکا تھا وہ مجھے اور بھی اچھی لگنے لگی تھی۔ اب اس سے بات کرتے ہوئے مجھے جھجک سی محسوس نہ ہوتی اور میں اس سے پہروں بیٹھ کر باتیں کرتا لیکن اتنی صبح سویرے یوں اس کا میرے کمرے میں آ جانا میرے لئے کچھ کم تعجب خیز بات نہ تھی۔

بڑی دیر تک وہ کھڑی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی اور پھر بولی "عذرا تو پتہ نہیں کب آئے گی۔ کب بازار گئی تھی۔؟"

میں نے جواب دیا "میں تو کچھ نہیں جانتا۔ شاید ابھی پلٹ آئے، شاید شام کو آئے اسے ہمیشہ اتنے سارے کام ہوتے ہیں۔"

وہ ہنس کر بولی "تم سب اس قدر عجیب و غریب باتیں کرتے ہو کہ مجھے تو ذرا بھی تم لوگوں کی سمجھ نہیں آتی۔ اس کو الٹے سیدھے کام کرنے سے فرصت نہیں ملتی۔

تم ہمیشہ جانوروں کی دنیا میں مگن رہتے ہو، اور..... اور..... پتہ نہیں لگتا تم لوگوں کا.....؟"

میں نے کہنا چاہا خیر ہم لوگوں کی تو بات چھوڑو یہ بات تو تمہاری دلچسپی کا باعث نہیں یہ بتاؤ کہ خرم بھائی کی کونسی بات تمہیں ستا رہی ہے کہ تم نے میرے کمرے میں آنے کی زحمت کی ہے۔ مجھے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا شیریں نے بڑی بے تعلقی سے کہا: "میں چند دنوں سے شہد کی مکھیوں کے متعلق کچھ پڑھ رہی ہوں۔ میری سمجھ میں تو خاک نہیں آتا سوچا تم استادِ زماں ہو تمہیں سے پوچھوں گی۔"

میں نے مسکرا کر کہا: "اور تمہیں ایسی معلومات کی کیا ضرورت پڑ گئی شیریں؟"

"کیوں کیا تم ہی ایسے ہو کہ تمہارے سوائے ایسی معلومات سب پر حرام ہیں؟"

"نہیں یہ بات تو نہیں۔ لیکن شہد کی مکھیوں کے متعلق بتانے کو اتنی ساری باتیں ہیں کہ سمجھ نہیں آتی کہ کہاں سے شروع کروں اور کہاں تک پہنچوں کہ تم پر اس مخلوق کے عجائب کھلیں۔"

"چھتے میں ایک ملکہ مکھی ہوتی ہے نا، کی مکھی؟" اس نے بظاہر لاتعلقی سے پوچھا۔

میں نے جی ہی جی میں کہا۔ ہاں ہوتی ہے مصر کی ملکہ اور پھر بآواز بلند بولا۔

"اور ان کارکن مکھیوں کے متعلق کچھ نہ بتاؤں جن کی بدولت اس ملکہ کا کارخانہ چلتا ہے۔ ان نرمگسوں کے متعلق ایک حرف نہ کہوں جو ملکہ کی محبت میں آوارہ و پریشان ہوتے ہیں ——"

شیریں آگے بڑھ گئی اور اس کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔ جس کے سامنے اخروٹ کا بڑا قد آور درخت تھا اور جس میں شہد کی مکھیوں نے چھتہ ڈال رکھا تھا۔ بالکل خرم بھائی کی طرح اس نے اپنے بازو پشت کی جانب کر لئے اور کہنے لگی "میں نے سنا ہے چھتے کی ساری سالمیت اسی ملکہ کے وجود سے ہوتی ہے۔ وہ نہ ہو تو اس گھر کا شیرازہ بکھر

جاتا ہے۔ اس شہر کی آبادی اجڑ جاتی ہے۔ اگر تم ملکہ کی باتیں سناؤ گے تو سارے چھتے کی بات نہ ہو جائے گی بھلا؟"

"ہاں یوں بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر تم کچھ پوچھتیں اور میں جواب دیتا جاتا تو بات زیادہ آسان رہتی ——"

"اگر میں کچھ پوچھ سکتی تو تمہارے پاس ہی کیوں آتی؟" اس نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

اس کی پیٹھ میری جانب تھی۔ پشت پر رکھے ہوئے سفید ہاتھ موی سے نظر آ رہے تھے۔ میں نے ان ہاتھوں پر سے نظریں ہٹا کر کہا —— "شیریں یہ مکھیوں کا چھتہ جو تمہیں اس وقت نظر آ رہا ہے۔ اس میں پتہ نہیں مکھیوں کی کتنی پشتیں زندگی گزار چکی تھیں۔ لیکن ایک وقت میں اس میں صرف ایک ہی ملکہ حکمران رہ سکتی ہے۔ جب اسے علم ہوتا ہے کہ اس کی کوکھ جنی شہزادیاں جوان ہو چکی ہیں اور وہ اپنے بندشیش محلوں میں سے نکلنے والی ہیں تو ملکہ اپنا شہد سے بھرا بھرایا چھتہ چھوڑ کر چل نکلتی ہے۔"

"کیوں؟" شیریں نے پلٹ کر پوچھا۔

"اس لئے کہ چھتہ وہ میان ہے جس میں دو حکمران ایک ہی وقت میں نہیں رہ سکتے۔ اگر جواں سال شہزادیاں بھی یہاں موجود رہیں اور بوڑھی ملکہ بھی تو اس گھر میں دوعملی کا سلسلہ قائم ہو جائے اور دوعملی کو مکھیاں پسند نہیں کرتیں۔"

"تو یہ نئی شہزادیاں اپنا گھر کیوں نہیں بسا لیتیں، ملکہ کو اپنی راجدھانی بدلنے پر کیوں مجبور کرتی ہیں؟"

مجھ پر خرم بھائی کے فلسفے کا دورہ پڑ گیا۔ "اس لئے کہ یہاں کا مسلک قربانی ہے اور یہ سارا بکھیڑا مکھیاں مستقبل کے لئے کرتی ہیں۔ آئندہ نسل کے لئے کرتی ہیں

اور آنے والی نسلوں میں اپنی بقا کا سامان ڈھونڈتی ہیں۔"

شیریں بات کاٹ کر بولی: "یعنی افزائش نسل کے لئے ساری جد و جہد ہوتی ہے؟"

"بالکل بالکل — لیکن اپنی راجدھانی چھوڑنا اس ملکہ کے لیے آسان کام نہیں ہوتا۔ ملکہ جس کا شاہی ایوان چھتے کے وسط میں ہوتا ہے شاذ ہی اپنے شبستان سے نکلتی ہے۔ لیکن معین وقت پر یہ ملکہ مجنون ہو کر سارے چھتے کے چکر لگاتی ہے۔ موم کے بند ایوانوں میں اس کی بیٹیوں کو یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ محض ان کی خاطر ان کی ماں دور دراز کے سفر مول لے رہی ہے۔ غربت اور کس مپرسی کو دعوت دے کر ان کے لئے بھرے خزانے چھوڑ کر جا رہی ہے۔

"ملکہ کا اس وقت عجیب حال ہوتا ہے۔ وہ جگہ جگہ ٹھٹھکتی ہے۔ لیکن سفر کی صورت نظر نہیں آتی۔ کارکن مکھیاں اپنی ملکہ کی حفاظت کا بیڑہ اٹھا چکی ہوتی ہیں۔ چنانچہ اپنی محبوب ملکہ کو نئی شہزادی کے ہاتھوں سے محفوظ رکھنے کے لئے وہ کوچ کا نقارہ بجاتی ہیں۔ اپنی ملکہ سے ان کی عقیدت بے پناہ ہوتی ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے گارڈ مقرر رہتی ہے۔ اس کے آرام و آسائش کا ہر طرح سے خیال رکھا جاتا ہے۔ ایسے انجینئر ہمیشہ اس کے پاس رہتے ہیں۔ جو اس کی مرضی کے مطابق ہر لمحہ نئے کمرے تعمیر کراتے ہیں۔ کیونکہ ملکہ اپنی مرضی سے بچے جنتی ہے وہ چاہے تو نرگس پیدا کرے وہ چاہے تو کارکن مکھیوں کو جنم دے اور وہ چاہے تو اپنے جیسی خوبصورت شہزادیاں بنا ڈالے۔"

"کیا کہا؟" شیریں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ بھی ملکہ کے اختیار کی بات ہے۔ اپنی شادی کے وقت وہ اپنے جسم میں نرگس کا جسم جذب کر لیتی ہے۔ اس کے بعد یہ اس کے اپنے بس کی بات ہے کہ اس [illegible] ضرورت ہے [illegible] جب وہ دیکھتی ہے کہ چھتے میں شہد

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

کم ہے تو جھٹ کارکن مکھیوں کے انڈے دینا شروع کر دیتی ہے۔ جب اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کی شہزادیوں کے چاہنے والوں کی تعداد کم ہے۔ تو نکھٹو نرگس پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں جب اسے اپنے چھتے کا مستقبل عزیز ہوتا ہے تو وہ شہزادیوں کو جنم دیتی ہے تاکہ اس کے ملک کے جائز وارثوں کی کمی باقی نہ رہے۔"

شیریں کی پتلیاں حیرت سے پھیل گئی تھیں اور وہ آگے کو جھک آئی تھی۔

"واقعی؟" وہ رکی تھی، "سچی بات ہے کہ گپیں ہانک رہے ہو؟"

"تم نے سنا ہوگا شیریں، سچ افسانے سے زیادہ حیرت انگیز ہوتا ہے۔ مکھی کے چھتے میں ایسے عجائبات بھرے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ہاں تو میں تمہیں بتا رہا تھا کہ ایک معین دن معمر ملکہ چھتہ چھوڑ کر چل نکلتی ہے۔ اس کے ساتھ موم بنانے والی کارکن مکھیاں، انجینئر مکھیاں، شہد بنانے والی مکھیاں، دایہ مکھیاں اور اس کے خدمت گاروں کا سارا عملہ ہوتا ہے۔ نوے اسی ہزار کی آبادی میں سے صرف بیس ہزار کی آبادی پیچھے رہ جاتی ہے اور باقی تمام مکھیاں اپنی ملکہ کے ساتھ ہو لیتی ہیں۔ پیچھے رہ جانے والوں میں نرگس کی تعداد اکثریت میں ہوتی ہے۔"

"یہ کیوں پیچھے رہ جاتے ہیں بھلا؟"

"اس لئے کہ نئی ملکہ کا بیاہ ہونا ہوتا ہے۔ اسے ابھی ایک عدد دولہا درکار ہوتا ہے اگر نرگس بھی پرانی ملکہ کے ساتھ روانہ ہو جاتے تو پھر کنواری ملکہ کنواری ہی رہتی اور پرانے چھتے میں ایک بھی کارکن مکھی ایک بھی شہزادی جنم نہ لیتی اور نرگسوں کی تعداد بڑھتی جاتی۔"

"وہ کیسے؟"

میں نے ہنس کر کہا، "بڑی حیرت انگیز بات ہے شیریں کہ ملکہ شادی سے

پہلے بھی انڈے دینے کے قابل ہوتی ہے اور بیشتر وہ انڈے دینے بھی لگتی ہے۔ لیکن ان انڈوں سے کبھی کوئی مادہ پیدا نہیں ہوتی۔ نر مگس البتہ جنم لے سکتے ہیں ایک شہزادی کو اس دنیا میں لانے کے لئے ملکہ کا نکاح لازمی ہے۔"

شیریں نے اپنے دوپٹے کو بل دیتے ہوئے کہا ـــــ "رکی تکی یہاں سے آگے پھر بڑھنا پہلے یہ بتاؤ کہ چھتہ کی ملکہ، ملکہ کیوں کہلاتی ہے مجھے تو یہ ایک قیدی نظر آتی ہے۔ جس سے کارکن مکھیاں اپنی مرضی کے مطابق کام لیتی ہیں۔"

شیریں کا سوال سن کر میں سوچنے پر مجبور ہو گیا پھر چند لمحے توقف کرنے کے بعد بولا "بات دراصل یوں ہے شیریں کہ اس ملکہ کا تصور ہماری ظالم، جابر اور خود پسند رانیوں سے ذرا مختلف ہے یہ خدمت گزار، علم پسند اور مستقبل کی فکر کرنے والی ملکہ ہے۔ کارکن مکھیاں جو ہمیشہ مستقبل کا سوچتی رہتی ہیں۔ اس ملکہ کی ادنیٰ سے ادنیٰ خواہش پر اپنی تمام تر کوششیں صرف کر دیتی ہیں یہ ملکہ جو دراصل ان کی ماں ہے۔ بڑی محترم چیز ہوتی ہے یہ مکھیاں لاکھوں میں اپنی ماں کو پہچان لیتی ہیں چاہے یہ ماں بوڑھی، تباہ حال جسمانی طور پر لنگڑی لولی ہو جائے۔ لیکن مکھیاں اس کا ساتھ نہیں چھوڑتیں۔ اگر یہ قیدی ہوتی تو یوں ہوتا بھلا؟ اس بوڑھی ملکہ کے بدلے وہ کسی جوان شہزادی کو اپنے چھتے میں گھسنے کی اجازت نہیں دیتیں اور تو اور وہ اپنی ملکہ کی طرف کبھی پیٹھ کر کے بھی کھڑی نہیں ہوتیں۔"

شیریں کے ماتھے پر ان گنت تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں اور وہ ایک ایک لفظ غور سے سن رہی تھی۔ پھر وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی "سنو! رکی تکی پھر چھتہ کی ملکہ کو ماں کہنا زیادہ مناسب ہے۔ میں تو کم از کم اسے ماںتا، احترام اور قربانی کا سمبل سمجھنے لگی ہوں۔"

"ایک طرح سے تمہارا کہنا زیادہ درست ہے لیکن پھر اس لفظ میں وہ عظمت،

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

شان اور دبدبہ پیدا نہیں ہوتا جو شہد کی ملکہ میں فطرتاً پایا جاتا ہے اور ماں اتنی تمار بھی نہیں ہوتی کہ قصداً قتل کرے۔ کم از کم ہم ماں کے تصور کو مختلف سمجھتے ہیں۔"

"قتل! کیا مطلب ہے تمہارا؟" شیریں نے پوچھا۔

"ہر ملکہ کی زندگی قتل و غارت کے عزم سے شروع ہوتی ہے۔ جب بوڑھی ماں کو علم ہوتا ہے کہ اب اس کی بیٹیاں موم کے ایوان چیر کر باہر نکلنے والی ہیں تو وہ اپنی جان کی خیر مناتی چھتہ سے رخصت ہو جاتی ہے۔"

"چند دن بعد اس چھتہ میں عجیب ہل چل کا مقام ہوتا ہے۔ پہلی شہزادی اپنے لبوترے شاہی کمرے کی مومی چھت پھاڑ کر سر نکالتی ہے۔ اس وقت اس کا جسم کسی سفید فام بوڑھے آدمی کی طرح جھریوں والا اور کانپتا ہوا سا ہوتا ہے۔ لیکن یہ کیفیت دیر تک نہیں رہتی، کیونکہ وہ جانتی ہے کہ اس چھتہ پر اس کی حکمرانی ہونی ہو گی اور اس سے پہلے کہ کوئی اس کی دوسری بہن بھی بغاوت پر آمادہ ہو سکے اسے اپنی ماں جنی کو قتل کرنا ہو گا۔ دایہ مکھیاں، ہار سنگار کرنے والی مشاطائیں بڑھتی ہیں اور ملکہ کے تھکے ہارے جسم کو پل بھر میں خوبصورت بنا دیتی ہیں۔ اس کا جسم اتنا خوبصورت کر دیا جاتا ہے کہ کارکن مکھیاں اس کے سامنے ہیچ نظر آتی ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"اور کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ دو شہزادیاں ایک ساتھ پیدا ہو جائیں؟" شیریں نے سوال کیا۔

"کیوں نہیں۔ لیکن ایسے موقع بہت کم آتے ہیں۔ اگر کبھی اس طرح ہو جائے تو چھتہ میدانِ کارزار بن جاتا ہے۔ ایک شہزادی دوسری پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ خوب جانتی ہیں کہ اس میدان میں جو ہارے گا۔ اسے موت سے ہم آغوش ہونا پڑے گا۔ یہ شاہی خاندان اپنا ڈنک سوائے ایک دوسرے کے

کسی پر استعمال نہیں کرتا۔ لیکن ایسی لڑائی میں یہ ڈنک بے حد مفید ثابت ہوتا ہے۔ دونوں بدک بدک کر بھاگتی ہیں اور پھر قریب آتی ہیں۔ تاوقتیکہ ایک چالاک شہزادی کا سارا زہر دوسری کے جسم میں منتقل نہ ہو جائے۔"

شیریں نے کہا: "اور اگر بدقسمتی سے دونوں ایک دوسرے کو زہر آلود کر دیں تو؟"

"اوّل تو فطرت ایسا ہونے نہیں دیتی اور بالفرض محال یوں ہو بھی جائے تو بس پھر کارکن مکھیوں کے لئے صفِ ماتم بچھ جاتی ہے اور وہ ان شہزادیوں کا انتظار کرنے لگتی ہیں۔ جو ابھی تک دریچے چڑھائے اپنے شبستانوں میں خوابیدہ ہوتی ہیں۔ لیکن میں کہہ رہا تھا کہ عام طور پر ایک شہزادی ایک وقت میں جنم لیتی ہے۔ مومی محراب میں سے نکل کر اس کے سامنے دو منزلیں ہوتی ہیں۔ اگر تو بوڑھی ملکہ کے جانے کے بعد اس چھتے کی آبادی خاصی ہو تو وہ کنواری ملکہ اپنا گروہ بنا کر نیا گھر تلاش کرنے چل نکلتی ہے۔ ایک ہی چھتے سے کئی بار دو تین رانیاں اپنا اپنا لاؤ لشکر لے کر رخصت ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ شدید سردیوں سے اس علاقے میں چھتے کم ہو جائیں اور فطرت کو ان کے بڑھانے کا خیال دامنگیر ہو۔"

شیریں بولی— "اور اگر وہ کنواری ملکہ گھر چھوڑ کر نہ جائے تو؟"

"تو شیریں یوں ہوتا ہے کہ ہوش سنبھالتے ہی اس شہزادی کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ اس چھتے میں اس جیسی کئی اور بھی شہزادیاں کہیں سانس لے رہی ہیں وہ رقابت کی ماری سارے چھتے کی کنسوئی لیتی پھرتی ہے۔ جہاں کہیں کسی شہزادی کا سر ابھرتا دیکھ پاتی ہے وہیں اسے ختم کر ڈالتی ہے۔ جو شہزادیاں ابھی مومی چھپر کھٹ لگائے خوابِ خرگوش میں مبتلا ہوتی ہیں انہیں کھود کر یہ قاتلہ ایک اور طریق

UrduPhoto.com

سے مارتی ہے اپنا ڈنک اندر داخل کرتی ہے اور خوابیدہ شہزادی کا انجام بالخیر ہو جاتا ہے۔ ادھر اس کے رقیبوں کا خاتمہ ہوتا ہے اُدھر اس کے سر پر تاج رکھا جاتا ہے۔ اب اس چھتے میں اس جیسی قابلِ احترام ہستی اور کوئی باقی نہیں رہتی لیکن کبھی کبھار یوں بھی ہوتا ہے کہ کارکن مکھیاں اس پہلوٹھی کی شہزادی کو اپنی بہنوں کو قتل نہیں کرنے دیتیں۔"

"یعنی وہی کارکن مکھیاں جو ملکہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتیں۔ اب ملکہ چننے سے گریز کرتی ہیں؟"

"بالکل بالکل... بات یہ ہے شیریں کہ کئی بار کنواری ملکہ انڈے تو دینے لگتی ہے۔ لیکن اس کا بیاہ ابھی نہیں ہوا ہوتا اس صورت میں کارکن مکھیاں بڑی دوراندیشی سے کام لیتی ہیں۔ وہ اس کنواری ملکہ کو باقی شہزادیاں ختم نہیں کرنے دیتیں۔ ادھر ملکہ اپنی بہن کے ایوان کی طرف بڑھتی ہے ادھر پرے باندھے کارکن مکھیوں کا ہجوم سامنے دیوار بن کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ یہ ہجوم خادماں اپنی ملکہ کے خلاف کبھی سینہ سپر تو نہیں ہوتیں۔ لیکن ملکہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی نہیں ہو سکتی۔ جب ملکہ یوں ان مکھیوں کو اپنے منہ آتے دیکھتی ہے تو وہ غصے سے آگ بگولا ہو جاتی ہے۔ سارا چھتہ اس کے رزمیہ نغموں سے گونج اٹھتا ہے۔ یہ جنگ کی پکار اس قدر خوفناک ہوتی ہے کہ کارکن مکھیاں سمٹ سمٹ کر رہ جاتی ہیں اور ملکہ کو شہد کے مٹکے لنڈھانے سے روک نہیں سکتیں۔ ملکہ ادھر شہد پی کر تازہ دم ہو کر پھر سے رقیب کی تلاش میں نکلتی ہے لیکن مکھیاں آڑے آتی ہیں۔ پھر شہد کے ذخیروں میں غم غلط کرتی ہے اور پھر اپنی ماں جائی کا لہو چوسنے نکلتی ہے۔ اگر اس کی بہن اس وقت ایوان کے اندر یہ غصے بھری صدائیں سن پاتی ہے تو وہ بھی اندر ہی سے جوابی دھمکیاں دینا شروع کر دیتی ہے گویا چار پانچ دن کے لئے چھتہ جنگ کی صداؤں سے گونج

اُفتاب ہے۔"

"پھر آخر فیصلہ کیونکر ہوتا ہے؟"

میں نے ہنس کر کہا۔ "چھتہ عجیب دیس ہے۔ یہاں ہر جی دار کو یہ ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ اس کے بغیر ساری قوم کی بھلائی ناممکن ہے۔ ملکہ جب تک یہ نہ دکھائے کہ وہ بیاہتا ہے اور بچے جننے کے قابل ہو چکی ہے، تب تک مکھیاں اسے چھتے کی سرداری نہیں سونپ دیتیں۔"

شیریں نے دلچسپی سے پوچھا۔ "تو پھر اس کی شادی کیونکر ہوتی ہے؟"

"بات یہ ہے شیریں یہ نہایت دکھ بھری داستان ہے اسے سن کر تم کیا لوگی؟"

"میں ایسی بچی نہیں ہوں رکی تکی تم بیان تو کرو؟"

"وہ بلندیوں کا رخ کرتی ہے۔"

میں نے پرانی کہانی بیان کرتے ہوئے کہا —— "اڑتی چلی جاتی ہے اور ہزاروں نرمگس اس کے تعاقب میں اڑتے ہیں۔ لیکن یہ بدبخت عاشق راہ کی کٹھنائیوں کی تاب نہ لا کر گرتے چلے جاتے ہیں۔ جس تیزی سے ملکہ فضا کی پنہائیوں کا رُخ کرتی ہے، ویسی تیزی ان کے بس کا روگ نہیں ہوتی۔ بالآخر ان میں سے کوئی جانباز ایسا بھی نکل آتا ہے، جو ملکہ کو اپنی آغوش میں لے کر اسے اپنی بنا لیتا ہے۔ لیکن اس وصال کے ہوتے ہی اس کی جان نکل جاتی ہے اور وہ اپنی جان اور جسم کا نذرانہ ملکہ کو دے کر ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔"

شیریں کا رنگ زرد ہو گیا۔ اس کے لب کانپنے لگے اور وہ غیر شعوری طور پر کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔ جیسے اس نے فضا میں تیرتا ہوا کوئی منحوس خواب دیکھ لیا تھا۔ پھر وہ سر جھکا کر آہستہ سے بولی ——

"بدنصیب ملکہ ...... بدنصیب دلہن ......"

UrduPhoto.com

میں شیریں کے قریب ہو گیا۔ اس کے کرب زدہ چہرے کو دیکھ کر میں نے آہستہ سے کہا —— "اور اگر مکھیاں ملکہ کو پریشان نہ کریں تو وہ کبھی اپنے موم کے شہر کو چھوڑ کر کہیں نہ جائے لیکن اسے ان کارکن مکھیوں کی خاطر ایک سفر اور بھی کرنا پڑتا ہے نیا گھر بسانے کا سفر ——"

شیریں نے پردہ ہٹایا اور چلتے ہوئے بولی —— "میں جانتی ہوں وہ پھولوں کو کیوں نہیں دیکھتی؟ اس پر آسمان کی نیلاہٹیں کیوں حرام ہو جاتی ہیں۔ میں جانتی ہوں رکی تکی وہ کیوں اپنے لئے قید پسند کرتی ہے۔ اس کے لئے تو موم کی گلیاں سنسان اندھیری اور ویران ہو جاتی ہوں گی۔ تم کہتے ہو ملکہ نہایت جابر اور سنگدل ہوتی ہے تمہیں کیا علم کہ فطرت اس سے اس سنگدلی کا کتنا سنگین بدلہ لیتی ہے تم نہیں سمجھتے اور ابھی کل تک میں بھی نہ سمجھتی تھی ——"

شیریں جس طرح اچانک آئی تھی۔ ویسے ہی خاموشی سے چلی گئی پھر میں نے اسے کھڑکی میں سے اترائی کی پگڈنڈی پر اترتے دیکھا۔

پگڈنڈی کے ادھر ادھر درختوں میں ان گنت شگوفے کھلے تھے۔ زرد اور براؤن چست شلوار قمیص میں وہ ان پھولوں کے درمیان بھونرا سی اترتی جاتی تھی۔

۶

ہمارے ابا جان ویسے آدمی ہیں۔ جیسے عام طور پر باپ ہوا کرتے ہیں۔ میں ان کی شان میں کچھ ایسی ویسی بات کرنا نہیں چاہتا۔ مشکل یہ ہے کہ ابا جان کسی اور کے نقطہ نظر پر توجہ دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے۔ چونکہ وہ اپنی زندگی میں اچھی خاصی دولت اکٹھی کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ اس لئے ان کا خیال ہے کہ جس طرح انہوں نے اپنی زندگی گزاری ہے وہی صحیح معیار ہے۔ اگر باپ کا تجربہ بھی وراثت میں ملا کرتا اور اس سے اس کی اولاد بھی اسی طرح لطف اٹھا سکتی تو

عین ممکن ہے خرم بھائی اور ابا جان میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہوتا۔ لیکن مشکل تو یہی تھی کہ ان دونوں کے مطمع نظر مختلف تھے۔ ابا جان کی منزل دولت تھی اور خرم بھائی کی نظروں میں شیریں دولت حسن کا منبع!

ابا جان نے خرم بھائی کو اس لئے تعلیم نہ دی تھی کہ وہ کہیں نوکر ہو جائیں یا ابا جان کی پناہ سے نکل کر کہیں آزادی کا سانس لیں۔ یہ پڑھائی محض اس لئے تھی کہ وہ اپنے دوستوں کے حلقے میں کہہ سکیں ـــــ "فسٹ ائر میں پڑھتا ہے برخوردار.... ان دنوں فائنل کا امتحان دے رہا ہے نالائق۔ سی ایس پی کی تیاری میں مشغول ہے بیچارہ وغیرہ وغیرہ...." ان فخریہ جملوں کی خاطر انہوں نے خرم بھائی کے کئی سال برباد کر دیئے تھے۔ خرم بھائی جو کھانے پینے، سونے اور گپ بازی کے شوقین تھے اچھی خاصی عمر کتابوں کی نذر کر چکے تھے۔ ابا جان کا ہمیشہ سے خیال تھا کہ ہم دونوں بھائیوں کو اپنے ساتھ کام پر لگائیں گے۔ لیکن کام پر لگانے کا ان کا طریق خوب تھا۔ خرم بھائی سے کام لیتے اور ڈانٹتے جاتے جو تنخواہ ان کے لئے مقرر ہوتی وہ اس لئے کبھی ادا نہ کی جاتی کیونکہ خرم بھائی کو آخر کس چیز کی ضرورت تھی۔ کھانے پینے کو گھر پر سب کچھ تھا اماں ہمیشہ کی طرح جیب خرچ دیتی تھیں۔ پھر اگر خرم بھائی کو ابا جان بھی پانچ سو روپے ادا کر دیتے تو ان کی نظر میں وہ خود اپنے بیٹے کو عیاش بنا ڈالتے۔

پڑھائی ختم کر لینے کے بعد کچھ عرصہ تو خرم بھائی نے ابا جان کے ساتھ کام کیا لیکن پھر بے پروا ہو گئے۔ ابا جان کو اب ایک اور بھی اچھا موضوع مل گیا۔ وہ دوستوں کے حلقے میں نہایت تاسف بھرے فخریہ لہجہ میں کہتے ـــــ "ارے یہ کب کام کریں گے۔ ان کی ہڈی ہڈی میں آرام بسا ہے۔ انہیں اپنے گھی شکر سے کام ہے باپ چاہے محنت کرتا کرتا مر جائے۔"

دراصل یہ محنت ابا جان کیوں کرتے تھے۔ اس کے معنے مجھے آج تک

سمجھ نہیں آئے۔ اگر وہ یہ دولت ہمارے لئے جمع کر رہے تھے جیسا کہ وہ کہتے تھے تو اس دولت کے استعمال پر ہمارا اختیار نہ تھا۔ خرم بھائی نے سب سے پہلے ابا جان کے ساتھ کام کیا۔ لیکن جب یہ سانجھا پنپ نہ سکا۔ تو وہ بددلی سے نوکری کی تلاش کرنے لگے۔ جس ناز و نعم میں وہ پلے تھے، اس کے حساب سے کوئی نوکری ان کے معیار پر نہ اترتی تھی۔ ابا جان اپنی جگہ مسکراتے کہ بالآخر میری محنت ٹھکانے لگی۔ جو لڑکوں کو باہر کی ہوا راس نہیں آ رہی اور جب خرم بھائی کسی کام جوگے نہ رہے تو ابا میاں اماں کو طعنے دینے لگے کہ کیسی اولاد ہے تمہاری پڑی صبح و شام کھاٹ توڑتی ہے۔

خرم بھائی شیریں سے محبت کر بیٹھے تو میرا دل دھڑکنے لگا۔ ٹھیکیدار صاحب کے ہاں دولت کی کمی نہ تھی۔ لیکن انہوں نے ایک عمر افسروں کے جوتے چاٹنے میں صرف کی تھی اور ان کی نظر میں افسر بڑی چیز تھے۔ جو عزت وہ چق سے باہر بیٹھ کر گنواتے تھے اور جیسا جیسا انہیں دفتروں کے باہر انتظار کرنا پڑتا تھا۔ اس کی تلافی اسی صورت ہو سکتی تھی کہ شیریں کا شوہر کوئی افسر ڈھونڈا جاتا۔ چپراسی فائلیں اٹھائے پنجوں کے بل اندر داخل ہوتا وہ منہ میں پائپ دبائے سٹینو کو خط لکھواتا۔ ٹانگ پر ٹانگ دھرے گھومنے والی کرسی ـــــ کبھی ادھر گھماتا کبھی اُدھر روپے پیسے یا تنخواہ کی فکر نہ کرتا۔ جتنی رقم چاہتا ٹھیکیدار صاحب سے منگوا بھیجتا ملتی لیکن ہوتا افسر!

دوسری طرف ابا جان تھے جن کے نزدیک ہر طرح کی خوشی دولت کے ترازو میں تلتی تھی۔ ایک ٹھیکیدار صاحب تھے کہ جن کی ساری مسرتیں اونچے عہدے کے ساتھ وابستہ تھیں دونوں کے اپنے معیار تھے اور دونوں نظریوں کے درمیان خرم بھائی کا مکھن ایسا لطیف اور بے داغ وجود تھا۔ بے ضرر لیکن بیکار۔

"اسماعیل چینی دانی عجب "ڈیم فول" قسم کا آدمی تھا۔ میں اس کا خط پرزے پرزے کرکے کھڑکی سے باہر پھینک رہا تھا کہ مجھے ٹھیکیدار صاحب کے گھر سے آنے والی پگڈنڈی پر شیریں چڑھتی ہوئی نظر آئی۔ رنگین تتلی کے سے رنگ اس کے لباس پر بکھرے ہوئے تھے اور وہ اردگرد کے درختوں کی چھوٹی چھوٹی پتیاں توڑتی چڑھتی چلی آرہی تھی۔ پھر اس کی نظر مجھ پر پڑی تو اس نے فضا میں ہاتھ ہلا کر بڑی خوش خلقی سے کہا —"رکی تکی...... عذرا گھر پر ہے کہ نہیں؟"

میں نے بھی چلا کر جواب دیا "نہیں —— لیکن کوئی موجود ضرور ہے۔"

شیریں سیب کے شگوفے فضا میں اچھالتی چلی آرہی تھی۔ اس کے کانوں میں پڑی ہوئی موتیوں بھری بالیاں جھول رہی تھیں۔ اس بے پروا، خوش مزاج، ہنس مکھ لڑکی کے انجام سے مجھے یوں ہی گھبراہٹ سی ہونے لگی۔

وہ میری کھڑکی کے عین نیچے پہنچ گئی۔ اس سے چند قدموں کے فاصلے پر شہد کا چھتہ اپنی مصروفیت سے بھنک رہا تھا۔ وہ ادھر اشارہ کرکے بولی —

"پھر اسی کے مطالعہ میں غرق ہو؟"

"نہیں فی الحال تمہیں دیکھ رہا تھا اور چینی دانی پر برس رہا تھا —"

"اچھا وہی چینی دانی جو شہد کی مکھیاں پالتا ہے؟"

سر اٹھا کر اس نے پوچھا۔

"وہ گدھا تو اپنا وجود نہیں پال سکتا یہ امرت بنانے والی مخلوق اس سے کیا پلتی ہوگی؟"

اسی اثنا میں میرے کمرے میں عذرا داخل ہوئی چونکہ شیریں میری کھڑکی سے دس بیس قدم نیچے کھڑی تھی۔ اس لیے عذرا اسے دیکھ نہ سکی وہ دروازے میں پہنچتے ہی بولی۔

UrduPhoto.com

"رکی تکی غضب ہوگیا غضب وہ خرم بھائی اور ابا جان کی جنگ ہوگئی۔"

"ہیں؟"

"خرم بھائی کہتے تھے کہ ابا انہیں میاں اصغر علی کی طرف سفارشی رقعہ لکھ دیں۔ تاکہ انہیں فرینک اینڈ سنز کی فرم میں کام مل جائے۔ لیکن ابا جان نے صاف انکار کردیا؟"

"کیوں ابھی کل ہی تو وہ کہہ رہے تھے کہ چلو تم کوئی نوکری ہی اٹھا لو میں مانع نہ ہوں گا۔"

اگر مجھے علم ہوتا کہ عذرا جواب میں اتنی بڑی بات کہہ دے گی تو میں کبھی نہ پوچھتا۔ لیکن میرے سمجھنے سے پہلے عذرا نے کہا "وجہ یہ ہے کہ خرم بھائی کہتے ہیں کہ شیریں کی خاطر وہ نوکری اٹھانا چاہتے ہیں۔ بھلا ابا جی کب مان سکتے ہیں رکی تکی۔"

میں نے جلدی سے عذرا کو کندھے سے پکڑا اور کمرے سے باہر لے گیا۔ عذرا پہلے تو چونکی، لیکن جب میں اسے اپنی حرکت کی وجہ بتائی تو گھبرانے لگی کہ اب کیا ہوگا؟ میں بھلا شیریں سے کیونکر آنکھیں چار کرسکوں گی؟ ہم پریشانی کے عالم میں کھڑے برآمدے میں باتیں کر رہے تھے، کہ خرم بھائی بڑی تیزی سے ہمارے پاس سے گزرے عذرا نے دبی زبان میں آواز دی —— "بھائی جان!——"

وہ نہ رکے تو میں نے کہا —— "خرم بھائی ——"

وہ لمحہ بھر کو رکے اور بولے —— "ابھی واپس آکر تم سے بات کروں گا رکی تکی، مجھے ذرا جلدی ہے۔"

یہ کہہ کر خرم بھائی برآمدے سے اُتر گئے۔ مری کے گھر میں میرا کمرہ کوٹھی کے پچھواڑے تھا، اور ٹھیکیدار صاحب کے گھر کو عین میری کھڑکی کے نیچے سے راستہ جاتا تھا۔

خرم بھائی ضرور اس راہ سے گئے ہوں گے اور انہوں نے شیریں کو عین میری کھڑکی کے تلے کھڑے پایا ہوگا۔ جب میں اور عذرا باتیں ختم کر چکے اور میں اپنے کمرے کی طرف جانے لگا تو وہ بولی۔

"خرم بھائی شاید شیریں کے ہاں گئے ہوں گے ——"

"ہاں ——"

"میں بھی چلتی ہوں شیریں کی طرف ——" وہ بولی۔

"بیوقوف مت بنو عذرا —— پتہ نہیں یہ ان کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ تم مداخلت نہ کرو۔"

"اس حد تک؟" عذرا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"ہاں اس حد تک۔"

یہ کہہ کر میں اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ میرا خیال تھا کہ شیریں اور خرم بھائی ضرور جا چکے ہوں گے۔ لیکن جب میں کھڑکی سے چند قدم دور رہ گیا تو خرم بھائی کی آواز آئی —— "شیریں —— فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے اگر میں ابا جان کا کہا مانوں تو تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔ لیکن میرے پاس نہ افسری ہوگی نہ پوزیشن، اگر میں تمہارے مشورے پر عمل کروں اور لاہور چلا جاؤں تو عین ممکن ہے کہ نوکری مل جائے۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ افسری نہ ملے اور میں تمہارے ابا جی کی نظروں میں اور بھی قابل اعتراض ٹھہروں ——"

شیریں متذبذب لہجے میں بولی "بھلا میں کیا فیصلہ کر سکتی ہوں؟ کچھ ایسا کیجئے کہ آپ کے ابا جان اور میرے ابی دونوں مان جائیں۔"

"یعنی —— میں وہ طریق سمجھا نہیں؟" خرم بھائی نے طنز سے پوچھا۔

"وہ طریق تو میں خود بھی نہیں جانتی لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ کچھ ایسی صورت

بن جائے کہ دونوں خوش ہو جائیں ——"

خرم بھائی نے لمبی سانس بھری اور فلسفیانہ انداز میں بولے "پھر تم محبت کی روایت سے ناواقف ہو شیریں، زرخیزی اور مناسب آب و ہوا میں محبت کا پودا کبھی پروان نہیں چڑھتا ....."

ابھی شاید خرم اپنی تقریر جاری رکھتے۔ لیکن میں نے شیریں کو کہتے سنا "شاید کوئی آ رہا ہے۔ میں اب چلتی ہوں۔"

"شام کو آؤ گی ——؟"

"اگر ہو سکا تو! ——"

پھر اترائی میں جانے والی پگڈنڈی پر بھاگتی ہوئی ایک رنگین تتلی غائب ہو گئی۔ اس کے تعاقب میں ایک لمبا چوڑا بھونرا بڑھا۔ لیکن شگوفوں میں کھوئی ہوئی تتلی کا سراغ نہ پا کر لوٹ آیا۔

اسماعیل چینی دانی میں بس خدا نے ایک ہی خوبی دی ہے کہ وہ دو اور دو چار کہنا خوب جانتا ہے۔ اس کے نزدیک شہد کی مکھیاں تھیں۔ ان کی تعداد اسی نوے ہزار کے لگ بھگ ہو جائے تو ساٹھ ہزار اڑ جاتی ہیں۔ ان کی ملکہ کی عادتیں مندرجہ ذیل تھیں اور ان کے نر مگس یوں زندگی بسر کرتے تھے اور اس کے بعد اس کا دعویٰ ہے کہ وہ مکھیوں کے متعلق سب کچھ جانتا ہے۔

چینی دانی کا اس مرتبہ نہایت طویل خط آیا تھا میرے تمام سوالات کا صحیح جواب درج تھا۔ لیکن بیان اس قدر مردہ اور بے تعلق تھا کہ میرا جی جل گیا۔ اس کے نزدیک مکھیوں کے نہ تو کوئی جذبات تھے نہ ان کی زندگی کو ہماری زندگی سے کچھ تعلق تھا۔ وہ چونکہ چالاکی سے ان کا شہد نکالنے میں کامیاب ہوتا تھا اس لئے مکھیاں اس کے نزدیک ایک ذریعے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔ جب وہ

ہزاروں پھولوں کا رس نچوڑ کر شہد تیار کر لیتی ہیں اور جب ان کی محنت سے چھتّہ لد جاتا ہے تو اسماعیل چینی دانی دھوئیں کے مرغولے چھوڑ کر شہد ہتھیا لیتا ہے چینی دانی جاہل کو یہ علم نہیں کہ مکھیاں دھوئیں سے ڈرتی نہیں ہیں۔ وہ اس سے اس لئے گھبراتی ہیں کہ وہ فطرت کی غلام ہیں اور انہیں یہ اندھیرا فطرت کا عذاب لگتا ہے انہیں محسوس ہوتا ہے جیسے قدرت نے ان کے لئے کوچ کا نقارہ بجا دیا اور ان کے لئے یہ اندھیرا اس لئے بنایا —— کہ وہ کسی محفوظ جگہ پہنچ جائیں۔

جس شام ہمیں مری چھوڑنا تھا اسی صبح جب میں اٹھا تو اخروٹ کے درخت پر شہد کی مکھیاں عجب مسرت سے بھنبھنا رہی تھیں۔ درختوں کی پتیوں پر ننھی اوس ابھی خوابیدہ تھی اور اس میں سورج کی کرنوں نے ابھی بسیرا کیا تھا۔ لیکن چھتّہ پر عجب کیفیت طاری تھی۔ کارکن مکھیاں آ جا رہی تھیں۔ ہر ایک ملکہ کے لئے ایک خاص پیام لا رہی تھی۔ کوئی آ کر کہتی تھی —— ”حضور میں نے ایک بڑی اچھی جگہ تجویز کی ہے۔ ایک پرانے چنار کے درخت میں اونچی سی کھوہ میں چل کر بسیرا کریں نہ آندھی کا ڈر نہ بارش بجلی کا خطرہ —— “

دوسری کارکن مکھی کہیں سے تھکی تھکائی آ کر بیان کرتی —— ”جناب! یہاں سے دو میل کے فاصلے پر جنگلی پھولوں نے آگ لگا رکھی ہے ہر طرف گل لالہ اور گلاب کے پھولوں کا انبار ہے۔ ہمیں زیادہ مشقت نہ کرنی پڑے گی۔ آپ وہیں چل کر سنگ بنیاد رکھیں —— “

تیسری عمر رسیدہ مکھی مسرت سے آ کر مژدہ سناتی —— ”ملکہ عالیہ! جگہ تو ایسی ڈھونڈی ہے کہ ایک بار حضور بھی دیکھ کر پسند فرمائیں گی۔ انسان نے وہ کھنڈر چھوڑ رکھا ہے ہر طرح کی فراغت وہاں نصیب ہے۔ کھجور کے درخت قریب ہیں

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

باذوق دیہاتی پاس رہتے ہیں۔ خوب پھل پھول لگا رکھے ہیں۔ آنے والے بچوں کے لئے ذخیرہ جمع کرنے میں ذرا بھی تکلیف نہ ہوگی —— “

اخروٹ کے درخت پر مکھیوں کا چھتہ کوچ کے نقاروں سے گونج رہا تھا میں نے اسماعیل چینی دانی کا خط پرزے پرزے کر دیا۔ اس کے ٹکڑے کھڑکی میں سے اڑائے اور اپنی میز پر بیٹھ کر اسے خط لکھنے لگا۔

پیاری چینی دانی!

تمہارا خط ملا۔ انتہا کی مایوسی ہوئی۔ بار بار سوچتا ہوں کہ کاش تم نے مجھے وہ خط نہ لکھا ہوتا۔ ایسی بے سود اور رائیگاں محنت میری نظر سے آج تک نہیں گزری۔ اگر مجھے علم ہوتا کہ تم لارنس باغ میں محض شہد اکٹھا کرنے پر مامور ہو تو تمہیں ان کے متعلق خط نہ لکھتا۔ تم تو بس منہ پر نقاب لے کر دھوئیں کے مرغولے چھوڑ کر ان کا اثاثہ لوٹنے والے ہو۔

میرے سامنے اس وقت ایک چھتہ لٹک رہا ہے۔ میں نہیں جانتا اس میں سے کتنے ہزار مکھیاں اڑ جائیں گی۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس وقت فطرت کا ایک عظیم کرشمہ ننھے ننھے پروں پر ابھر رہا ہے۔

لہر در لہر، غول در غول ان کی ٹکڑیاں فضا کی پہنائیوں میں اڑی چلی جا رہی ہیں ان کی فوج مستقبل کے ایک ایسے مرکز کی طرف رواں ہے جس کا کوئی دھندلا سا نقطہ بھی اس کی نظروں کے سامنے نہیں ہے ہمارے گھر میں لاہور واپس چلنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ابا جان نے یہاں جنگلات خریدے پھر کھڑے کھڑے ان کا سودا چکایا اور دو لاکھ کا نفع کما لیا۔ لیکن یہ ساری دولت کس کے لئے ہے؟ میں ان سے پوچھنے

کی جرأت تو نہیں کر سکتا۔ لیکن تم سے پوچھتا ہوں کہ آخر انہیں اتنا سارا شہد کیوں چاہیئے؟

یہاں سے اتنی جلدی کوچ کرنے کی وجہ میں تمہیں ملنے پر بتاؤں گا۔ لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ یہ وجہ مکھیوں کے کوچ سے کچھ ایسی مختلف نہیں۔ فقط اس میں وہ عظمت پیدا نہیں ہو سکی۔ جو ان ننھی جانوں کا خاصہ ہے۔

خدارا اپنی املا کی خیر مناؤ آلو کوع سے لکھنا انتہا کی حماقت ہے نظیر بھیلے اور سید مہاراج کو سلام کس مپرسی۔ اگر اس بار فلم دیکھنے چلیں گے تو ٹکٹ تمہیں خریدنا ہوں گے۔ میں یہ اس لئے تحریر کر رہا ہوں کہ تم پہلے سے ہی کوئی بندوبست کر سکو——

باقی یہاں ہر طرح سے خیریت ہے اور تمہاری خیریت خدائے ذوالجلال سے نیک نہیں چاہتا۔

تمہارا
رکی ٹکی

شاید میں اس سے بھی لمبا خط لکھتا۔ لیکن عذرا اپنے بازوؤں میں ڈھیر سارے کپڑے لئے وارد ہو گئی اور بولی —— "رکی ٹکی اگر تمہارے ٹرنک میں کچھ جگہ ہو تو یہ کپڑے رکھ لو۔ میں لاہور چل کر تم سے لے لوں گی۔"

دوپہر کو مجھے ابا جان نے طلب فرمایا۔ وہ کرسی سے ٹیک لگائے بڑے شاہانہ طریق سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے تشریف فرما تھے۔ میں ایک معمولی کلرک کی حیثیت سے ان کے حضور داخل ہوا۔

"خرم کہاں ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر جواب دیا۔ "جی وہ اپنے کمرے میں ہوں گے۔"

"وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے اس لئے تو پوچھ رہا ہوں۔"

میں نے نہایت ادب کے ساتھ جواب دیا —— "تو جی پھر وہ کہیں سیر کو نکل گئے ہوں گے ——"

"خوب! خوب! یہ سیر کا اچھا وقت نکالا ہے صاحبزادے نے! یہاں سے رخصت ہونے میں فقط چند گھنٹے رہ گئے ہیں اور نواب صاحب کو سیر کی سوجھی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آخر یہ ناہنجار سوچتا کیا ہے؟ میں نے تمہیں کیا اسی دن کے لئے پالا تھا کہ میرے منہ آؤ؟ حرامزادہ سوچتا ہو گا کہ یہاں رہ جائے گا تو میں اس کے لئے کچھ انتظام کر جاؤں گا۔ لیکن کان کھول کر سن لو جو میرے ساتھ رہے گا صرف وہی مجھ سے اور میری دولت سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ میں ویسا بیوقوف باپ نہیں ہوں جو بچوں کو خود عیاشی کی طرف مائل کر کے ان کا مستقبل تباہ کیا کرتا ہے۔"

ابا جان کی عادت ہے کہ غصے کے عالم میں جو بھی نظر آئے اسے ہی جھڑکنا شروع کر دیتے ہیں۔ خرم بھائی کے مطالعہ میں انہوں نے ہمیشہ یہی رعایت برتی ہے کہ انہیں جو کچھ کہنا ہو تو مجھے بلا کر سرزنش کیا کرتے ہیں۔ اس وقت میں نظریں جھکائے بوٹ سے دری کریدتا ہوا سامنے کھڑا تھا اور وہ کہہ رہے تھے —— "اگر خرم کا یہ خیال ہے کہ ٹھیکیدار صاحب کسی نکھٹو اور کاہل فلسفی کو اپنی بیٹی سپرد کر دیں گے تو یہ خیالِ خام ہے۔ خرم کی جو بھی عزت ہے وہ میرے وجود سے ہے۔ جہاں بھی اس کی شادی ہو گی میری وجہ سے ہو گی۔"

"جی ——"

وہ کڑک کر بولے۔ "اور تم بھی کان کھول کر سن لو۔ لڑکی کا تعاقب کرنا ذلیل کمینوں کا کام ہے تم جانوروں کی دنیا میں رہتے ہو کہیں ان سے کوئی ایسی ویسی حرکت نہ سیکھ لینا ——"

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

جی میں تو آئی کہ کہوں ابا جان ہم جانوروں سے کچھ سیکھ سکتے تو کیا اس گفتگو کی نوبت آتی! لیکن میں نے اور بھی سر جھکا کر کہا ـــــ "جی!"

ابا جان میری جی حضوری پر اور بھی تلملائے اور بولے: "یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو کہیں جا کر اسے ڈھونڈ کے لاؤ ـــــ سنا؟ ـــــ"

میں کمرے سے باہر نکلا تو میرے ذہن میں ایک ہی خیال چکر لگا رہا تھا کہ آخر ابا جان خرم بھائی کو ساتھ کیوں لے جانا چاہتے ہیں بھلا وہ لوہے کو مقناطیس سے کیونکر علیحدہ کر سکتے ہیں؟ ہمارے مکان سے بھی ایک گھرانے کو اڑنا تھا۔ لیکن یہاں کی ملکہ مصر تھی کہ نکھٹو کو ساتھ ہی لے کر جائے گی۔

ابا جان کے حکم کے بموجب میں خرم بھائی کی تلاش میں نکلا۔ سب سے پہلے میں نے ان کے کمرے کا رُخ کیا۔ دروازہ تھوڑا سا کھلا تھا۔ میں نے دھکیلا تو سامنے گندے کاغذوں کی ٹوکری کو دھکا لگا۔ سارے میں کاغذ اور چند ایک کا پیاں بکھر گئیں۔ خرم بھائی ازل سے ایسے ہیں کہ ایک لمحہ میں گھر کا نقشہ تبدیل کر سکتے ہیں۔ ایک نشست میں کمرے کو چڑیا گھر، دھوبی گھاٹ، باورچی خانہ اور لائبریری سبھی کچھ بنا ڈالتے ہیں۔

میں آگے بڑھ جاتا۔ اگر ایک سرخ ڈائری پر مجھے اپنا نام لکھا ہوا نظر نہ آ جاتا۔ اوپر تو میرا نام تھا لیکن اندر رقم تھا:۔

۲۲۔ اپریل:۔

کیسی عجیب و غریب رُت ہے شیریں۔ آج کا سارا دن میں نے رکی ٹکی کے ساتھ گزارا۔ کاش میں یہ وقت کسی طرح تمہاری صحبت میں گزار دیتا۔ لیکن کیا بے بسی ہے جہاں بات بنائے نہ بنے؛

اس کے بعد کچھ اور صفحے تھے جن میں جا بجا میرا نام لکھا ہوا تھا۔ مجھے

یوں خرم بھائی کے تخیلے میں جھانکتے ہوئے شرم تو آتی تھی لیکن میں رہ نہ سکا۔ ابا جان کا نادر شاہی حکم میرے ذہن سے نکل گیا اور میں لال کاپی کھسکا کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ سفید مخملیں کاغذ پر سبز سیاہی سے لکھی ہوئی ڈائری کے یہ اوراق کیسی کیسی باتیں سنائیں گے۔ مجھے اس کا وہم و گمان تک نہ تھا۔

۶۔ اپریل:۔

ابا جان کو جب بھی سوجھتی ہے عجب بات سوجھتی ہے۔ اب سردیوں میں حضرت مری چلے ہیں۔ وہاں خاک لطف ملے گا سنا ہے سیزن تو وسطِ مئی میں گرم ہوتا ہے۔ خیر ہمیں کیا۔ ساتھ کتابیں لے چلتے ہیں۔

۷۔ اپریل:۔

مری کا پُرلطف سفر۔ راہ میں ابا جان کی کھڑکیاں۔ عذرا کی سلائیوں پر ٹکا ٹک اور بس کی گڑگڑاہٹ نے مجھ پر نیند طاری کر دی۔ اس لئے میں راہ کے منظر اچھی طرح دیکھ نہ سکا ـــــ بانسرہ گلی کے مقام پر ناشپاتیوں کے باغ میں سے رکی ٹکی نے جو ناشپاتی چرا کر مجھے دی وہ نرالی تھی۔ اس نوعیت کا پھل لاہور نہیں ملتا۔

۸۔ اپریل:۔

ناغہ ـــــ گوشت کا اور ڈائری دونوں کا۔

۹۔ اپریل:۔

بادہ نوشی ہے بادہ پیمائی۔

۱۰۔ اپریل:۔

میں تو سمجھتا تھا کہ مری خالی ہے وہاں خوبصورت سوٹ اور ٹائیاں کس کام آئیں گی لیکن میرا خیال غلط نکلا۔ سیمز کے قریب میں نے ایک

ایسی آباد دنیا دیکھی کہ سہم کر رہ گیا۔ دراز قد، صحت منداور کس قدر خوبصورت۔

۱۱۔ اپریل :۔

کاش وہ دنیا مال سے نکل کر کسی ایسی جگہ کھو جاتی کہ میں پھر اس فردوس نگاہ کو نہ دیکھ سکتا۔ لیکن مجھے کیا علم تھا کہ اترائی میں جو گھر ہے وہ اسی کا ہے۔ کاش وہ کپڑے والی آرام کرسی میں بیٹھ کر پاؤں پر کیوٹیکس لگانے کا قصد نہ کرتی تو میں آرام سے بیٹھا اختر شیرانی کے شعر پڑھتا رہتا۔ لیکن یوں نہ ہو سکا۔ ڈھلے بال، آستینیں کہنیوں تک چڑھی ہوئیں جیسے دھوپ میں موم کا مجسمہ! میرا جی چاہتا ہے سورج سارے کا سارا ادھر ہی پھیر دوں۔

۱۲۔ اپریل :۔

شیریں! کس قدر اچھا نام ہے۔ اگر کل شام میں تمہیں مال کی اس دکان پر نہ ملتا، تو مجھے کبھی بھی علم نہ ہو سکتا کہ تمہارا نام شیریں ہے بھلا تم کاڈنٹر کے پاس ٹھٹھک کیوں گئی تھیں۔ لمحہ بھر کو تو مجھے یوں لگا جیسے ابھی تم مجھے مخاطب کرنے والی ہو — لیکن بھلا تم مجھے کیا کہتیں؟ شیریں بھلا تم کو ہمارے گھر کی طرف رُخ کر کے بیٹھنا ضرور ہے، مجھے ان حرکتوں پر نہ اکساؤ جو فسٹ ایئر کے لونڈے کیا کرتے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے آئینہ لے کر تم پر عکس ڈالوں۔ تم چونک جاؤ۔ اور پھر اچانک تمہاری نظر مجھ پر پڑ جائے اور تم میرا منہ چڑا دو۔ آخر مجھے ہو کیا گیا ہے؟ میں بننا کیا چاہ رہا ہوں؟ میں کس طرف جا رہا ہوں شیریں؟ شیریں!! شیریں!!

UrduPhoto.com

۱۳۔ اپریل :۔

رکی ٹکی تمہارے ساتھ بارش میں کھڑا کچھ اس طرح باتیں کر رہا تھا شیریں کہ میری ساری زندگی ارد گرد کے چھینٹوں سے دھندلا گئی۔ رکی ٹکی تمہیں کب سے جانتا ہے۔ ٹھیکیدار صاحب کی اکلوتی نورِ چشم جلد بتاؤ ورنہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ میں ایسی گہری وادیوں میں اتر جاؤں گا کہ پھر اگر تم نے مجھے آواز بھی دی تو وہ لوٹ کر تمہارے ہی پاس پہنچ جائے گی!

آج مجھے نذیراں بری طرح یاد آ رہی ہے۔ اسے بھی اسی قسم کے دورے جینے نہ دیتے ہوں گے۔ وہ بھی اسی طرح سوچتی ہوئی کہیں کی کہیں نکل جاتی ہو گی۔ نذیراں ایک شام میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے بڑی رقت سے مجھ سے پوچھا تھا۔

"چھوٹے میر صاحب یہ بی بی کون ہیں؟"

"کون سی بی بی؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ جو آج آئی ہیں جی ——"

"اوہ عصمت کو پوچھتی ہو —— میری خالہ زاد بہن ہیں، کیوں؟"

"ایسے ہی جی ——!"

جب نذیراں یہ پوچھ کر چلی گئی تھی تو میں دیر تک اس کی حماقت پر ہنستا رہا تھا کہ آخر اس نے یہ بیوقوفانہ سوال کیا ہی کیوں؟ لیکن میں کس قدر بیوقوف اور احمق تھا —— میں خوب جانتا ہوں رکی ٹکی اس وقت سو چکا ہو گا۔ لیکن میں اپنے کمرے میں رُک نہیں سکتا۔

بستر کی سلوٹیں شاہد ہیں کہ میں نے سونے کی بہت کوشش کی لیکن ہو نہ سکا۔
جب تک میں سب کچھ جان نہ لوں گا یہاں آرام نہ کروں گا۔

شب بخیر شیریں!

شب بخیر شب کی دلہن ـــــ تمہارے دریچے میں اندھیرا ہے تم اس وقت سو رہی ہو ـــــ تمہارا سبز بیڈ لمپ بھی محوِ خواب ہے ـــــ بھلا تم کیسے خواب دیکھ رہی ہو ـــــ

شب بخیر شب کی دلہن!

۱۴-اپریل:-

رات میں رکی ٹکی سے ملنے گیا۔ رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ لیکن وہ جاگ رہا تھا۔ جب میں نے اسے چھت کی طرف تکتے دیکھا۔ تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔ مجھے یقین ہو گیا۔ کہ بارش میں کھڑے کھڑے وہ تم سے بڑی راز کی باتیں کر رہا تھا۔ وہ بڑا پریشان نظر آتا تھا ـــ میں کھڑکی کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ رکی ٹکی کتنا سیدھا، کیسا انجان اور بھولا نظر آتا ہے۔ لیکن اس کی نظر کتنی دور بین اور اس کا مطالعہ کتنا وسیع ہے۔ کاش میں کوہکن اور مجنوں کا ذکر نہ کرتا کاش میں اس سے محبت کے متعلق باتیں نہ کرتا تو مجھے اپنا انجام اتنا صاف اور واضح نظر نہ آتا۔
نیلے پردوں میں چھپی ہوئی شیریں! اس وقت صبح کے چھ بجے ہیں ہلکی سپیدی بھری اندھیری رات پھیلی ہے۔ تم فضا کی پنہائیوں میں کھو جاؤ گی۔ لیکن میں تمہارا تعاقب کرنا نہ چھوڑوں گا اور میں یہ بھی جانتا ہوں۔ کہ کامیابی ہوئی تو بھی بدنصیبی ہم آغوش ہو گی اور اگر ناکامیابی ہوئی تو بھی تیرہ بختی اور نامرادی سے ہم کنار ہونا پڑے گا۔

رات میں کیسے وسوسوں میں گھرا ہوا تھا۔ اب وہ اس طرح چھٹ رہے ہیں جیسے رات کی سیاہی صبح کے نور میں اجلتی جا رہی ہو!

صبح بخیر صبح کی کنواری دوشیزہ
صبح بخیر میری تمناؤں کی سحر!

اس کے بعد چند صفحے خالی تھے جیسے وہ ڈائری لکھنے کے لئے وقت نہ پا سکے ہوں ـــ پھر لکھا تھا:-

۲۰-اپریل:-

آج صبح خدا جانے میں نے کس خوش بخت کا منہ دیکھا تھا۔ ایسی مسرتیں ہاتھ آئیں کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھیں۔ میں سیر کرتا ہوا بہت دور نکل چکا تھا۔ یوں ہی میرے ذہن میں رکی ٹکی کی باتیں گونج رہی تھیں جب میں نے دیکھا شیریں سوکھے پتوں میں گھری بیٹھی تھی۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس سے پہلے میں کئی بار شیریں کو اپنے گھر میں دیکھ چکا ہوں۔ وہ عذرا کے ساتھ بیٹھی باتیں کرتی رہتی ہے۔ گراموفون پر بار بار ایک ہی ریکارڈ لگاتی ہے۔

نیناں رے دیکھے ان کے نین؟

اور جب میں کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھ لیتا ہوں۔ تو وہ جھٹ ریکارڈ بند کر کے باتیں کرنے لگتی ہے جیسے کسی نے اسے چوری کرتے پکڑ لیا ہو۔
لیکن یہاں سنسان سیب کے باغ میں اسے یوں پا کر میرے قدم خود بخود اس کی طرف اٹھ گئے۔ میں نہیں جانتا اس پر کیا گزری۔ لیکن وہ ہراساں ہو کر اٹھی اور اترائی کی طرف بھاگنے لگی ہم دونوں کسی فلمی

ہیرو ہیروئن کی طرح ایک دوسرے کے تعاقب میں بھاگ رہے تھے کہ میں نے اس کا دوپٹہ پکڑ لیا اور وہ دوپٹہ میرے ہاتھ میں چھوڑ کر نیچے، بہت نیچے کونج کے سے بازو پھیلائے اتر گئی میں نے دوپٹہ وہیں چھوڑ دیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا وہ ذرا سی گہری گھاٹی میں یوں پڑا تھا جیسے کسی قبر کی ٹھنڈی سل ہو۔ ابھی میں انہی خیالوں میں مگن بیٹھا تھا کہ تیتریں گربہ پائی سے میرے پاس آکر کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی ــــ "جی میرا دوپٹہ کہاں ہے؟"

میں یہاں تک پڑھنے پایا تھا کہ دروازے پر بغیر دستک دیئے خرم بھائی آکر کھڑے ہو گئے۔ ان کا چہرہ اترا ہوا تھا اور گریبان کھلا تھا۔ میں نے انہیں دیکھتے ہی لال کاپی اپنے ٹرنک میں پھینک دی اور جلدی سے بولا ــــ "آپ کو ابھی ابھی ابا جان طلب فرما رہے تھے۔"

"میں ابھی انہیں مل کر آرہا ہوں۔"

"پھر؟ ــــ"

"پھر یہی کہ میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جا سکتا۔"

لمحہ بھر کو کمرے میں اندھیرے کا ایک بادل گھوما اور باہر نکل گیا۔ مجھے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کیا کہوں؟ بار بار میں ٹرنک میں پڑی ہوئی لال کاپی کو کنکھیوں سے دیکھ لیتا۔ لیکن اس وقت شاید خرم بھائی بہت زیادہ متفکر تھے اس لئے انہوں نے میرے ٹرنک کی طرف توجہ نہ دی۔

تھوڑے سے توقف کے بعد وہ بولے ــــ "رات سے بیٹھا میں یہی سوچ رہا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ اگر میں تم لوگوں کے ساتھ جاتا ہوں تو مزے سے اپنی زندگی گزار سکتا ہوں۔ ابا جان ہر طرح سے میری راحتوں کا خیال رکھیں گے لیکن

وہ زندگی میری مسرتوں کا گلا گھونٹ کر مجھ پر مسلط کی جائے گی۔"

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے اور لال کاپی کی طرف اشارہ کر کے بولے ــــ "ایک ایسی کاپی میرے پاس بھی تھی ــــ"

"جی؟ جی یہ تو میں نے جانوروں کی زندگی پر نوٹ جمع کئے ہیں۔"

"اچھا ــــ" وہ بے تعلقی سے بولے ــــ "اگر میں تمہارے ساتھ جا رہا ہوتا تو راستے میں تم سے مانگ کر پڑھتا۔ لیکن اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

پھر وہ دروازے کی طرف بڑھ گئے تو میں ان کے تعاقب میں بڑھا اور ان کے کندھے کو چھو کر بولا۔ "ابا جان نے آپ کو کچھ رقم یہاں ٹھہرنے کے لئے دی ہے کہ نہیں؟"

"رقم؟ ــــ انہوں نے تو میرے سامنے دو راہیں متعین کر دی ہیں جو آپس میں کبھی نہیں ملتیں۔ لیکن رکی ٹکی میں بھلا تمہارے ساتھ جا بھی کیوں کر سکتا ہوں۔ کبھی نکھٹو بھی چھٹتہ چھوڑ کر گئے ہیں ــــ مجھے تو بس آخری بار زندگی آزمانا ہے۔ ایک آخری بار فضا کو چیر کر آکاش کی بلندیوں کو چھونا ہے۔ اگر میں ناکامیاب ہوا تو تم میری صورت نہ دیکھو گے اور اگر..... لیکن ابھی کیا کہا جا سکتا ہے ــــ اچھا خدا حافظ ــــ"

پھر انہوں نے مڑ کر میری طرف بڑی بامعنی نگاہ ڈالی اور بولے "وہ نوٹ احتیاط سے رکھنا۔ ایسا مسودہ خون جگر سے لکھا جاتا ہے ــــ"

۷

لاہور پہنچتے ہی سب سے پہلی بات جو مجھے سوجھی وہ مکھیاں پالنا تھیں۔ اس معاملے میں مجھے اسماعیل چینی دانی سے بہت مدد لینا پڑی اور میں نے اسے ڈیم فول نانسنس سمجھنا چھوڑ دیا۔ اس روز چینی دانی اور میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔ فضا میں کارکن مکھیوں کی بھنبھناہٹ تھی۔ اسماعیل کہہ رہا تھا۔ رکی ٹکی ایک تجربہ

شاید تم نے کبھی نہیں کیا۔ یہ مکھیاں گروہ میں زندگی بسر کرتی ہیں۔ کسی ایک کو نکال کر دیکھ لو۔ شہد مہیا کرو آرام و سکون سے رکھو۔ گرمی اور دھوپ کا انتظام کرو لیکن یہ مکھی زندہ نہیں رہتی۔ وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ کر زندہ نہیں رہتی۔"

میں نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ "واقعی، یہ تجربہ تو میں نے کبھی نہیں کیا۔" "اور کبھی چھتے کی رائل جیلی کا تجربہ کیا ہے جناب نے؟ بڑی طاقتور چیز ہوتی ہے۔ دوسری قسم کی طاقتور" چینی دانی نے آنکھ مار کر کہا۔ میں نے جلدی سے بات کاٹ کر کہا "تم یہ تھوڑی سی جیلی نظیر بگھیلے کے لئے لے آؤ۔"

"کیوں؟" چینی دانی نے پوچھا۔

"اسے تحفہ دیں گے۔" میں نے کہا۔

"ادے بگھیلے کی تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی؟"

میں نے ہنس کر جواب دیا ـــــ "تم ازل سے ڈیم فول نانسنس آدمی ہو۔ بھائی جس چمگادڑ کے ساتھ وہ پرسوں مال پر پھر رہا تھا تمہارا کیا خیال ہے۔ اس کے گھر بچے ہوں گے۔"

"اچھی بھلی ہے ذرا دبلی ہے۔" چینی دانی بولا۔

"ہاں دبلی بھی ہے۔ ناک میں بھی بولتی ہے رنگ بھی ذرا سیاہی مائل ہے اور کوتاہ گردن اور سپاٹ سینہ بھی ہے۔"

چینی دانی نے بڑے فلسفیانہ انداز میں کہا ـــــ "تو پھر ہمیں کیا، نبھانا تو اسے ہی ہے۔"

"اچھا تو کل سید مہاراج کی منگیتر میں کیوں کیڑے نکالے جا رہے تھے۔" میں نے پوچھا۔

"وہ کل کل تھی اور آج آج ہے ـــــ بخدا تو بڑا ہی بحث اور بور قسم کا آدمی ہے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

رکی ٹکی ـــــ چھ بجنے کو دس منٹ ہیں اگر فلم دیکھنے نہیں جانا تھا تو مجھے کیوں ساتھ لایا تھا ـــــ میں ان بدبخت مکھیوں سے عاجز آ گیا ہوں۔ لارنس میں بھی یہی بھنبھناتی رہتی ہیں، تیرے گھر میں بھی اب سکون مفقود ہو گیا ہے۔ اب میں نظیر بگھیلے کے ساتھ رہا کروں گا۔ گڈ بائی ٹاٹا ......"

چینی دانی کو میں اسی وعدے پر ساتھ لایا تھا کہ میں اسے فلم دکھاؤں گا۔ گھر پہنچ کر میری نیت بد ہو گئی اور میں مکھیوں کے دھیان پڑ گیا۔ ہم دونوں جب لان سے اٹھ کر اندر گئے تو میرے تعجب کی کوئی حد نہ رہی۔ کھانے کے کمرے میں میز کے سامنے خرم بھائی بیٹھے تھے۔ ان کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے تھے اور ان کے چہرے پر افسردگی اور تھکان کی چھاپیں تھیں۔ میں نے چاہا کہ ہمیشہ کی طرح بے تکلفانہ ان سے بغلگیر ہو کر ملوں لیکن میں ہچکچا گیا۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے اب وہ ہمارے بھائی نہیں اور ان کا ہم سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔

وہ ہاتھ آگے بڑھا کر بولے۔ "ہیلو رکی ٹکی ـــــ دیکھا کھوٹا پیسہ واپس آ گیا۔"

میرے گلے میں روئی کا پھاہا سا اٹک گیا اور میں نے ہنسی کو اپنے اوپر طاری کر کے کہا۔ "اور شاید آپ یہاں کی متروک کرنسی سے نہیں ملے۔ یہ ہیں میرے دوست اسماعیل چینی دانی ـــــ میرے بھائی خرم ......"

اسماعیل چینی دانی نے مجھے کہنی سے ٹھوکا دیا اور آہستہ سے بولا ـــــ "یار تعارف تو ڈھنگ سے کرایا کر ـــــ"

میں نے خرم بھائی کی دھنسی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر منہ پرے کر لیا اور کہنے لگا ـــــ "جی یہ گدی نشین لوگ ہیں بھائی جان ـــــ آج سے چار سال بعد جب اس کے ابا جان فوت ہو جائیں گے۔ تو آپ دیکھیں گے چینی دانی داڑھی رکھے تسبیح ہلاتا مسئلے بیان کیا کرے گا۔"

"موت کی باتیں اس قدر آسانی سے نہ کرو رکی تھی۔۔۔۔۔۔ یہ بات ایسی نہیں جس کا تمسخر اڑایا جا سکے۔"

میں خاموش ہو گیا تو چینی دانی نے معذرت بھرے لہجے میں کہا "بھائی جان ہمیں اجازت دیجئے فلم کا آخری شو ہے اور ہم اب بمشکل تمام انٹرول تک پہنچ سکیں گے۔"

خرم بھائی جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ہاتھ بڑھا کر بولے ——

"بھائی اسماعیل تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی —— انشاءاللہ کسی دن مل کر بیٹھیں گے اور خوب باتیں ہوں گی۔"

چینی دانی چہکا —— "بشرطیکہ یہ واہیات آدمی موجود نہ ہو۔ کیونکہ اس کی باتیں بوریت کی حد سے بھی گزری ہوئی ہیں۔"

خرم بھائی نے فرمائشی قہقہہ لگایا اور ہم دونوں باہر چلے آئے۔

میں نہیں جانتا کہ اس روز میں نے کونسی فلم دیکھی۔ اس کے ہیرو ہیروئن کون تھے؟ کہانی کیسی تھی۔ میری نظروں کے سامنے پردۂ سیمیں پر خرم بھائی پھر رہے تھے۔ کبھی وہ کھڑکی کے پٹ سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو جاتے۔ کبھی سگریٹ پر سگریٹ جلاتے اور بجھاتے نظر آتے۔ کبھی ابا جان سے بحث کرتے۔ دوسرے لمحہ وہ یاس اور حسرت کی تصویر بنے شیریں سے گفتگو کر رہے ہوں گے۔ سامنے فلم رواں تھا اور میں بالکل اُس ماں کی طرح وسوسوں میں گھرا تھا۔ جس کا اکلوتا بیٹا رات گئے تک واپس نہ لوٹا ہو۔

خرم بھائی صبح گھر سے چلے جاتے اور رات گئے لوٹتے وہ دن بھر کیا کرتے تھے۔ اس کے متعلق کسی کو علم نہ تھا۔ ابا جان جنگلات بیچ کر جو پیسہ کما لائے تھے اسے اب برف خانہ بنانے کی نذر کر رہے تھے۔ جب سے خرم بھائی پلٹ آئے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

تھے میرا خیال تھا کہ ابا جان ان کے مستقبل کے متعلق ضرور کوشش کریں گے۔ لیکن ابا جان کی تیوری میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ ایک دن میں نے انہیں امی سے باتیں کرتے سنا تو ملال سے میرا جی پھٹ گیا۔ وہ کہہ رہے تھے۔

"اصغری! تمہاری اولاد کچھ نہیں کر سکتی۔ ایک دیوانہ ہے اور دوسرا دیوانوں سے بدتر خرم نوکری کی تلاش کرتا پھرتا ہے۔ بھلا اس نواب زادے کو کون نوکری دے گا۔ جو تین سو روپے کا سوٹ پہن کر نوکری تلاش کرنے نکلتا ہے؟"

اماں تلملا کر بولیں —— "تو پھر انہیں نوکری کی ضرورت بھی کیا ہے! آپ پانچ سو اپنے مینجر کو دیتے ہیں۔ اس کی جگہ خرم کو لگا لیجئے۔"

ابا جان دیر تک ہنستے رہے جیسے امی کی تجویز کا تمسخر اڑا رہے ہوں پھر بولے —— "جی ہاں! اور خرم کو مینجر بنا کر میں خود کوڑی کا نہ رہوں۔"

"کیوں کیا خدانخواستہ وہ کوئی بد دیانت شخص ہے۔"

"بد دیانتی سے بڑھ کر ایک بیماری تساہل پسندی اور غیر ذمہ داری ہے تمہاری اولاد کچھ کرنے جوگی نہیں ہے اصغری بیگم —— خواہ مخواہ مجھے ملزم سمجھتی ہو۔ ان میں کام کرنے کا مادہ ہوتا تو کچھ بن نہ جاتے اب تک۔۔۔۔۔"

ابا جان کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا کہ خرم بھائی نوکری کی تلاش میں ہیں۔ بی۔ اے۔ فیل کے لئے کوئی ایسی نوکری تلاش کرنا آسان بھی نہ تھی۔ جو ٹھیکیدار صاحب کے جی لگتی۔ خرم بھائی جس چکر میں آچکے تھے۔ اسے دیکھ دیکھ کر میرا جی کڑھتا۔ لیکن میں ایسا کمزور دل واقع ہوا ہوں کہ سیدھی بات کرتے ہوئے میری جان جاتی ہے۔ ہر شام میں ان کے کمرے میں جاتا اور بیوقوفانہ باتوں میں وقت گزار کر اٹھ آتا۔ وہ بیٹھے ہوں ہاں کرتے رہتے اور کبھی کبھی بڑی بددلی سے ہنس بھی دیتے۔ میں جب ان کا وقت گنوا کر باہر نکلتا۔ تو میرا جی چاہتا کہ اپنے آپ کو قتل

کرڈالوں لیکن دونوں باتیں نہ ہوسکیں۔ نہ خرّم بھائی کے دکھ کا مداوا نہ میرا قتل!
اس شام میں پھر چینی دانی کے ساتھ ایک فلم دیکھ کر واپس لوٹ رہا تھا
کہ عذرا مجھے خرّم بھائی کے دروازے کے سامنے نظر آئی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا
اور پہلی مرتبہ اُس کے ہاتھوں میں کوئی کام نہ تھا۔ مجھے دیکھتی ہی بولی "رکی نگی خرّم
ابھی تک نہیں آئے، تمہیں پتہ ہے کہاں گئے ہیں؟ ——"

"پتہ نہیں! کیا اماں کو بتا کر نہیں گئے تھے ——"

"نہیں! شام کے وقت وہ گھر آئے تھے۔ لیکن پھر کہیں چلے گئے ابھی تک
تو آئے نہیں پتہ نہیں کیا بات ہے؟"

میں بھی پریشان ہوگیا۔ ہم دونوں مل کر خرّم بھائی کے کمرے میں گئے ہر چیز
اسی طرح تھی۔ یعنی ہمیشہ کی طرح ان کا کمرہ، باورچی خانہ، چڑیا گھر اور دھوبی
گھاٹ نظر آرہا تھا۔ کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی۔

"فکر نہ کرو عذرا ابھی آتے ہوں گے۔" میں نے اپنے آپ کو تسلی دیتے ہوئے
عذرا سے کہا۔

"اماں بھی سوگئی ہیں اور ابا بھی ابھی نہیں آئے —— اور مجھے ڈر لگتا ہے۔"

میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا "چلو چل کر سو جاؤ۔ جب خرّم بھائی
آئیں گے میں تمہیں اطلاع دے دوں گا ——"

"نہیں میں تو یہیں بیٹھوں گی تمہارے ساتھ ——" وہ بولی۔

"ہیں ناگدھوں کی سی باتیں —— چل اٹھ ——"

عذرا کو میں اس کے کمرے تک پہنچانے گیا ہم دونوں پر سکوت طاری
تھا جیسے ہم دونوں کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہوں۔ بالآخر میں نے ہمت
کرکے پوچھا "عذرا تم تو شیریں کی سہیلی ہو تمہیں اس کے متعلق کوئی خبر نہیں ملی کیا؟"

"تین خط لکھ چکی ہوں۔ ایک کا بھی جواب نہیں ملا۔ خدا جانے کہاں مر کھپ
گئی ہے۔"

"خدانخواستہ ....." میں نے جلدی سے کہا۔

عذرا اپنے کمرے میں گھسنے لگی تو چوکھٹ سے اس کا پاؤں ٹکرایا۔ وہ جھلا
کر بولی —— "ایک تو اس گھر کی کوئی چیز ہی ٹھیک نہیں دروازے تک بدبخت
ایسے ہیں کہ ٹکرائے بغیر نہیں رہتے۔"

بھائی کی فکر نے عذرا کا چہرہ اور بھی تیکھا سانولا اور پھوٹا کر دیا تھا۔ میں
اسے چھوڑ کر لوٹا تو اپنے کمرے میں نہ جا سکا۔ میرے قدم خود بخود خرّم بھائی کے
کمرے کی طرف چل دیئے۔ انتظار کا وقت کسی طرح نہ کٹتا تھا۔ اس تکلیف دہ وقت
کو گزارنے کے لئے میں خرّم بھائی کی چیزیں درست کرنے لگا۔ پہلے میں نے ان کی
کتابیں قرینے سے لگائیں۔ پھر میز پر پڑے ہوئے ان کے کاغذ ہٹائے۔ ایش ٹرے
صاف کرکے رکھا۔ پھر ان کا بستر لگایا۔ تکیے کا غلاف بدلا۔ سوٹ اور کپڑے تہہ کئے۔
اتنا سارا کام کر چکنے کے بعد بھی جب خرّم بھائی نہ آئے تو میں سگریٹ سلگا کر
کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ باہر اندھیری رات سیاہ چادر اوڑھے کھڑی تھی۔ پہلی مرتبہ
مجھے اپنے بڑ کے درخت سے ڈر آنے لگا۔ مجھے یوں محسوس ہوا۔ جیسے ابھی کوئی
چیز اس درخت سے اتر کر میرا گلا گھونٹ دے گی۔ اس چیز کی نوعیت کیا ہوگی۔
وہ جانور ہوگا یا جن یہ میں نہ جانتا تھا۔ میں نے کھڑکی بند کرلی اور پنکھا چھوڑ کر بیٹھ گیا۔
رات رینگنے لگی۔ میں نے نظریں سامنے کے کلاک پر جما دیں۔ منٹوں کی سوئی برسوں
میں اپنی مسافت طے کر رہی تھی اور گھنٹوں کی رفتار ساکت ہو چکی تھی۔ لٹکے ہوئے
کیلنڈر پر بنی ہوئی شاہی مسجد کی تصویر اور بھی پراسرار اور تنہا نظر آتی تھی۔ یکلخت
مجھے احساس ہوا کہ یہ کیلنڈر اس کمرے میں نیا ہے میں خرّم بھائی کے کمرے میں کیلنڈر

UrduPhoto.com

دیکھ کر بڑا حیران ہوا اور اُٹھ کر دیوار کے قریب جا پہنچا۔ جون کے مہینے کی تمام تاریخوں کو کالی سیاہی سے کاٹا گیا تھا اور بائیس تاریخ پر سُرخ سیاہی کا بڑا سا دائرہ تھا۔ جیسے لہو کی لکیر کھچی ہو ـــ میں نے کیلنڈر اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ باقی مہینوں کے صفحے غائب تھے صرف جون کی تاریخیں ٹنگی ہوئی تھیں۔ جن میں سیاہ پوش اکیس دن دست بستہ بائیس کے حضور اس طرح کھڑے تھے۔ جیسے کیتھولک راہبات ہاتھ باندھے دعا مانگ رہی ہوں۔

میں نے کیلنڈر اتار کر اپنے پاس میز پر رکھ لیا۔ لیکن میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ ہر ننھی بات کے سہارے میں وقت کو آگے دھکیل رہا تھا اور میرے جی میں امید و بیم کی کش مکش ہر لمحہ تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔

پھر کسی نے کھڑکی پر دستک دی۔ آہستہ مدھم دو انگلیوں کی دستک، میں چونک کر اٹھ بیٹھا ـــ اور جلدی سے کھڑکی کی طرف بڑھتا ہوا بولا ـــ

"آپ آگئے خرم بھائی......"

اندھیری رات میں دور سے جھینگروں کے چلاّنے کی آواز آ رہی تھی اور دستک سارے کمرے میں کلاک کی ٹک ٹک بن کر پھیل گئی تھی۔ میں کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ پٹ کھول کر باہر جھانکوں پھر جیسے کوئی چیز پھسل کر نیچے گری۔ ہولے سے قدم بچا کر میں نے کھڑکی جلدی سے کھول دی اور اونچی آواز میں بولا ـــ

"کون ہے؟"

باہر اندھیرا [illegible] تھا۔ میں نے میز پر سے دیا سلائی اٹھا کر جلائی۔ اس مدھم روشنی میں بڑ کا درخت اور بھی مہیب نظر آنے لگا۔ پھر میں نے دیکھا کہ بلّی کھڑکی کے ساتھ اُگی ہوئی بیل سے لپکی اور بڑ کے درخت کی طرف چل دی ـــ

UrduPhoto.com

میں نے کھڑکی کے کواڑ بند کر دیئے اور آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

وقت کسی طرح کاٹے نہ کٹتا تھا۔ میں نے بھائی جان کی کتابوں کو ٹٹولا پھر شیلے کی نظمیں اٹھا کر پڑھنے لگا ـــ کچھ انتظار کی تھکن تھی۔ کچھ پنکھے کی سیدھی باڑھ میں پڑھتا پڑھتا اونگھ گیا۔

جب میری آنکھ کھلی، دریچے میں سے پھیکی پھیکی روشنی اندر آ رہی تھی بڑ کا درخت ایک عمر رسیدہ جن کی جگہ قد آور پہاڑ کا تودا لگ رہا تھا۔ بجلی کا بلب پھیکا اور بے رونق نظر آتا تھا۔ میرے لب کھردرے اور زبان خشک ہو رہی تھی۔ میں پانی پینے کے لئے اٹھا۔ تو شیلے کی کتاب میرے زانو سے پھسل کر فرش پر گری اور اس میں سے ایک نیلا لفافہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح تیر کر میز کے نیچے جا گرا۔

میں نے خط اٹھا لیا۔ مری سے آیا تھا اور اس کے اوپر والے کونے پر URGENT لکھا ہوا تھا۔ میں کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا اور خط پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

خرم!

نہ تو آپ خود آئے ـــ اور نہ کوئی اطلاع ہی بھیجی۔ لیکن خیر اب نوکری یا بے نوکری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بائیس تاریخ سامنے کھڑی ہے۔

آج میں اس پگڈنڈی پر گئی تھی ـــ جہاں آپ سے پہلی بار ملی تھی۔ سیب کے سارے شگوفے ختم ہو چکے ہیں۔ میں دیر تک اس بڑے پتھر پر بیٹھی سوچتی رہی کہ آخر اس دوڑ میں شاہ نواز آپ سے آگے کیوں بڑھ گیا؟ کیا کچھ ایسا نہ ہو سکتا تھا کہ بائیس تاریخ میرے لئے واقعی مسرت کا باعث بن سکتی۔

لیکن شاید آپ کو میں خواہ مخواہ کی زحمت دے رہی ہوں۔ شاید آپ

کو یہ بھی یاد نہ رہا ہو کہ شیریں بھی کبھی کوئی لڑکی تھی۔

حرماں نصیب

شیریں

خط میں نے اپنی جیب میں رکھ کر کیلنڈر کو دیوار پر لٹکا دیا۔ بائیس تاریخ کے گرد سرخ ہالے سے نارنجی سے شعلے پھوٹنے لگے۔

جب میں باہر نکلا تو مجھے دہلیز پر عذرا بیٹھی نظر آئی —— اس کا سر زانو پر ٹکا تھا —— ماتھے پر پسینے کے قطرے تھے اور آنکھوں میں رات بھر کی بے خوابی کی جلن تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی

"اب کیا ہوگا؟ ——"

۸

عذرا کے ساتھ صلاح مشورہ کر کے میں آخری بار قسمت آزمانے مری پہنچا میرا دل کہتا تھا کہ اگر خرم بھائی کی کوئی خبر مل سکی تو وہ شیریں ہی کے یہاں مل سکے گی۔ اس کے ساتھ میں ڈرتا بھی تھا کہ اگر وہاں بھی ان کا کوئی پتہ نہ چل سکا تو میں کہاں جاؤں گا۔ ہم سب کہاں جائیں گے؟ ساری راہ میں ان کی خیریت کی دعائیں مانگتا اور منتیں مانگتا گیا۔ لیکن میرے دل پر یاس اور نا امیدی کے بادل تیر رہے تھے اور میری آنکھوں کے سامنے حدِ نظر تک دھواں ہی دھواں تھا۔

مری پہنچ کر میں ابا جان کی ملکیتی کوٹھی میں نہ ٹھہرا بلکہ ایک ہوٹل میں جا اترا ——

سامان وہیں چھوڑ کر میں سیدھا شیریں کے بنگلے کی طرف چلا —— مال پر ہر طرف رنگین جسم اور خوبصورت چہرے پھیلے ہوئے تھے۔ میں نے امید کی موہوم سی کرن کے ساتھ ہر چہرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ لیکن کہیں بھی وہ

خاموش آنکھیں، کشادہ کندھے اور مدھم سی چال نظر نہ آئی۔

میں اسی پگڈنڈی پر ہو لیا جو ہمارے گھر سے شیریں کے جنگلے کی طرف جاتی تھی اور جہاں ایک بار خرم بھائی شیریں کے تعاقب میں بھاگے تھے۔ وہ کلکاریاں مارتی بہت دور نکل گئی تھی اور خرم بھائی شکست خوردہ واپس لوٹ آئے تھے لیکن آج اس پگڈنڈی کا فاصلہ اٹھ اٹھ کر میرے آگے بھاگتا تھا اور بل کھا کھا کر کہہ رہا تھا —— اب وہ واپس نہ آئیں گے۔ اس مرتبہ شکست خوردہ لوگ گھر نہ لوٹیں گے!

شیریں کا گھر بند تھا۔ شیشوں والے دروازے اور کھڑکیاں بند تھیں۔ لوہے کا پھاٹک بند تھا اور کوٹھی کو جانے والی کشادہ راہ پر پتھروں کی دیوار چنی ہوئی تھی۔ میں نے پھاٹک پر سے جھانک کر دیکھا۔ ہر چیز خاموش تھی اور اونچے اونچے درختوں کی ہلتی ہوئی شاخوں سے بھی کوئی آواز نہ آتی تھی۔

ایک جھاڑی کے پیچھے مجھے کوئی چیز ہلتی ہوئی دکھائی دی۔ خاردار سوکھی شاخوں کے پیچھے اس کی بگھیرے کی سی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کر وہ چیز ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی اور میں نے گیٹ کی سلاخوں کو مٹھیوں میں پکڑ کر زور زور سے بلاتے ہوئے کہا "مالی! مالی!!"

مالی آہستہ آہستہ میری طرف بڑھا۔ "عذرا بی بی اور دوسرے لوگ کہاں ہیں؟"

"وہ تو لاہور ہی میں ہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ "شیریں بی بی کہاں ہیں؟"

میں نے دوبارہ پوچھا۔

"آپ کے لاہور میں!" مالی نے جواب دیا۔ "بائیس کو ان کی شادی ہو گئی۔ یہاں سبھی آپ لوگوں کو یاد کرتے رہے۔ چھوٹے میر صاحب بھی ایک دن لیٹ پہنچے۔"

"خرم بھائی؟" میں نے بمشکل کہا۔

UrduPhoto.com

"ہاں جی ۔۔۔۔۔۔ وہ تیئس کی شام کو یہاں پہنچے تو میں نے کہا ۔ "بابو جی بہنوں کی شادی پر کوئی اس طرح سے پہنچا کرتا ہے ؟"

میں نے منہ پھیر کر کہا ۔ "ہمیں وقت پر اطلاع ہی نہ مل سکی ۔"

پھر میں آہستہ آہستہ چلنے لگا اور جب پھاٹک میری پشت پر دور ہونے لگا تو میں نے پلٹ کر پوچھا ۔ "خرم بھائی کا کچھ پتہ ہے مالی ؟"

"وہ تو جی یہاں سے اسی وقت چلے گئے تھے ۔" مالی نے ہانک لگائی ۔ "پتہ نہیں مال والے ہوٹل میں ہیں یا ترائی کے کسی ہوٹل میں ۔ کوٹھی تو ویسے ہی بند ہے ؟"

میں تین دن مری میں ٹھہرا اور تین دنوں میں میں نے مری کا ایک ایک ہوٹل اور ایک ایک کونہ چھان مارا لیکن خرم بھائی کا کچھ پتہ نہ چلا ـــــ وہ اکثر وادی میں قبرستان کی طرف اتر جایا کرتے تھے اور مجھے بتایا کرتے تھے کہ وہاں جنگلی پھولوں کا ایک تختہ ہے ۔ جس کے اردگرد دیوداروں کے پہرے کھڑے ہیں ۔ میں زندگی کے آخری لمحات گذارنے اس وادی میں اتر جاؤں گا اور تختہ گل پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سو جاؤں گا ـــــ صدیوں تک دیودار میری اور میرے بستر کی حفاظت کرتے رہیں گے ۔ سنتے ہیں رکی ٹکی جنگلی پھولوں میں ایسا مادہ ہوتا ہے کہ لاشیں حنوط ہو جاتی ہیں اور جانور بھی انہیں منہ نہیں لگا سکتے ۔

میں نے مری کا کونہ کونہ چھان مارا لیکن تختہ گل کی طرف اترنے کا مجھے حوصلہ نہ ہوا ۔

UrduPhoto.com

۹

کل ہم سب شیریں کے گھر گئے تھے ۔ امی اس کے نومولود بچے کو گود میں ڈال کر انگشت شہادت کے سوالیہ نشان سے اس کے ہونٹ دبا دبا کر اسے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

ہنسانے کی کوشش کرتی رہیں لیکن وہ ہنسا نہیں ۔ شیریں اپنے کھڑے گھٹنوں پر پھولوں والی رضائی ڈال کر اس پر اپنا ماتھا ٹکائے خاموش بیٹھی رہی ۔ اس نے ہم سے کوئی بات نہ کی ـــــ عذرا سے بھی نہ بولی ۔ ہم بھی اسی طرح خاموش بیٹھے رہے ۔

اتنے میں شاہ نواز کے بھتیجے بھاگے بھاگے اندر آئے اور اپنی چھڑیاں شیریں کے بستر پر مارتے ہوئے بولے ۔

"چچی جان ! چچی جان !! باورچی خانے کے پیچھے آم کے پیڑ پر شہد کی مکھیوں کا اتنا بڑا چھتہ لگا ہے ۔ اتنا بڑا ۔۔۔۔۔۔ اتنا بڑا ۔۔۔۔۔۔"

دونوں نے چھڑیاں پھینک کر اپنے اپنے بازو پھیلانے شروع کئے اور انہیں اپنے سینے سے پیچھے تک پھیلاتے گئے ۔

"چچی جان ، چچی جان ۔" دونوں نے مل کر شیریں کو جھنجھوڑا ۔

شیریں نے گھٹنوں سے سر اٹھایا اور ہولے سے کہا ۔ "اچھا"

لڑکے باہر بھاگ گئے اور کمرے میں اتنی خاموشی چھا گئی ۔ جیسے موم کی گلیاں خالی ہو گئی ہوں ۔